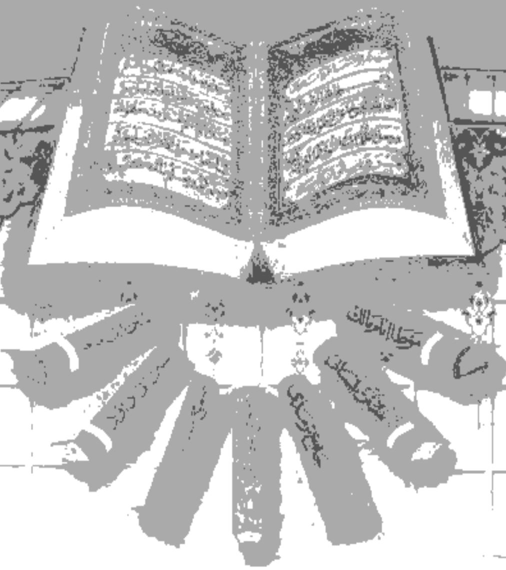


عقیدہ توحید و رسالت

ڈاکٹر ابو معروف محمد حسین آسی نقشبندی

مکتبہ نقش لاثانی

عقیدہ
توحید و رسالت

حسب الارشاد

زبدۃ الصالحین، مصدر فیوض و برکات، پیکر انوار و تجلیات، مظہر حضور نقش لاثانی رحمۃ اللہ علیہ

اعلیحضرت پیر **سید محمد اسماعیل شاہ** رحمۃ اللہ علیہ

علی پور سیداں شریف

مؤلفہ

مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسی حسینی نقشبندی

پبلشرز

مکتبہ نقش لاثانی

نقش لاثانی منگر شکرگڑھ

0542 - 452997
0300-7766223

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

نام کتاب	عقیدہ توحید ورسالت
مصنف	مفکر اسلام حضور پروفیسر محمد حسین آسی
ناشر	ممنون آسوی
کمپوزر	محمد اکرام مجددی / محمد ناظم
پروف ریڈنگ	علامہ سعید عامر آسوی
کمپوزنگ	لاثانی بک سینٹر ریلوے روڈ شکرگڑھ۔ 0542-451997
تعداد	1100
صفحات	256
قیمت	125 روپے

ملنے کا پتہ

- لاثانی بک سینٹر ریلوے روڈ شکرگڑھ 0542-451997
- ضیاء القرآن داتا گنج بخش روڈ لاہور۔
- مکتبہ نبویہ داتا گنج بخش روڈ لاہور۔
- قادری رضوی کتب خانہ داتا گنج بخش روڈ لاہور۔
- مکتبہ فروغِ عشقِ رسول ﷺ عابد مجید روڈ راولپنڈی۔

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلی ونسلم على رسوله الكريم

نذرِ انتساب

اُس شیخ الکاملین کے حضور جس کی توجہ سے ناقص کامل بنتے تھے،

اُس رائس الواصلین کے حضور جو اپنے دور کا خواجہ اہل وصال تھا،

اُس صدر الذاکرین کے حضور جس کے دیدار سے اللہ یاد آتا تھا،

ہاں ہاں جس کی پیشانی انوار عرفان سے جگمگاتی تھی،

جس کا کردار توحید اور عشق رسول ﷺ کی عملی تفسیر تھا،

یعنی

شہنشاہ ولایت، مخزن اسرار طریقت،

منبع فیوض و برکات، مہبط انوار و تجلیات، غوث صمدانی، قیوم زمانی

حضور نقش لاثانی قدس سرہ النورانی

گر قبول افتد زہے عز و شرف

سگ بارگاہ حضور نقش لاثانی

آسی

فہرست

......عقیدہ توحید......

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَ نُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

انسان کی فطرت میں اپنے پیدا کرنے والے کی تلاش کا جذبہ شامل ہے۔

چنانچہ جب اپنے گردو پیش پر غور کرتا ہے تو سوچنے لگتا ہے کہ شاید یہ وسیع زمین، یہ ٹھاٹھیں مارتے دریا، یہ شعلے برساتی آگ، یہ ہیبت ناک جنگل، یہ اونچے پہاڑ، یہ چمکتے ہوئے چاند، سورج اور ستارے خدا ہیں بلکہ بعض دفعہ اس نے ہر حرکت کرنے والی چیز کو خدا ٹھہرا لیا۔ (چنانچہ برصغیر میں جب پہلی دفعہ ٹرین چلی تو کئی ہندو اسے خدا مان کر اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے تھے) بعض نے جانوروں کو خصوصاً ان میں جو موذی تھے، جیسے سانپ بچھو وغیرہ کو، بعض نے جانوروں کی شرمگاہوں کو اور بعض نے اپنے ہاتھ کے گھڑے ہوئے بتوں کو خدا کا درجہ دے دیا۔ بعض بت پرستوں نے ان بتوں کو بالکل خدا کے برابر سمجھ لیا اور بعض نے کچھ 'احتیاط' کر کے انھیں چھوٹا اور سچے خدا کو بڑا خدا مان لیا اور عقیدہ رکھا کہ چھوٹے خدا (معاذ اللہ) مل کر کوئی بات کہہ دیں تو بڑے خدا کو ماننی پڑتی ہے۔ 'خداؤں' کے اس ہجوم میں بعض انسان بھی شامل ہو گئے اور انھوں نے تخت و

تاج کے بل بوتے پر اپنی 'خدائی' کا ڈھونگ رچا دیا۔ انسان کی اسی کم نگاہی اور کم عقلی کے پیش نظر سچے خدا (اللہ) نے پہلے دن ہی سے سلسلہ نبوت قائم کر دیا تھا تا کہ انسان کو اس کی اور اپنی پہچان ہو اور گمراہی کی پگڈنڈیوں پر آوارہ پھرنے والا اپنی منزل مقصود سے آگاہ ہو جائے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے بتایا کہ جنگل، پہاڑ، دریا، چاند، سورج، ستارے، جانور اور بت خدا نہیں، ہاں اللہ کی پیدا کردہ سب چیزیں انسان کی خدمت کے لئے پیدا ہوئی ہیں۔ انسان کو اور ان سب چیزوں کو ایک ہی ذات نے پیدا فرمایا ہے جس کا پاک نام اللہ ہے، وہی سب کا خالق ہے اور سب کا مالک حقیقی ہے۔ اللہ پاک کے ان سچے پاک بندوں نے صاف صاف اعلان فرما دیا کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ انہیں بزرگوں نے اللہ کی نوری مخلوق فرشتوں کا تعارف بھی کرایا مگر کیا کیا جائے اس حماقت کا کہ بعض انسانوں نے توحید کا پیغام دینے والے بعض انہیں پیغمبروں کو خدا بنا لیا، جیسے یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بلکہ ان کی ماں حضرت مریم صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خدا کی بیوی بھی قرار دیا (معاذ اللہ) بعض مشرکین نے سوچا ہوگا، بیٹا اور بیوی کا رشتہ اگر اہل کتاب نے طے کر لیا ہے تو باقی 'بیٹی' رہ گئی، لہٰذا فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے کر خانہ پری کر دی گئی۔ جب بعض لوگوں نے اس خدائی میں 'خداؤں' کی اتنی بھرمار دیکھی تو انھوں نے اس مسئلے کا حل یوں کیا کہ 'کوئی خدا نہیں۔ جو کچھ کرتا ہے، زمانہ کرتا ہے' یعنی خدا کا انکار کرتے ہوئے بھی زمانے کو (یا دہر کو) خدا قرار دے دیا۔ ایسے لوگوں کو دہری یا دہریہ کہا جاتا ہے

دہری نے کیا دہر سے تجھ کو تعبیر

انکار کی ... [illegible]

ہر طرف ان بے بس دیوتاؤں اور جھوٹے خداؤں کا میلا لگا ہوا تھا کہ فاران کی چوٹی سے پھر وہی اعلان ہوا جو اس سے پہلے اللہ کے سب سچے نبی علیہم السلام اپنے اپنے دور میں اور اپنی اپنی امت میں کرتے آئے تھے۔ یعنی

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

یعنی اللہ کے سوا کوئی الٰہ (یا خدا) نہیں

اب یہ اعلان اللہ کے آخری نبی حضور سیدنا محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ کا تھا، جو سارے نبیوں کے سردار اور ان کی تعلیمات کے محافظ بھی تھے اور خاص بات یہ کہ وہ پہلے نبیوں کی طرح ایک قوم، ایک بستی، ایک قبیلے یا چند اشخاص کی طرف ہادی بن کر نہیں آئے تھے، بلکہ ہر دور کے ہر شخص بلکہ ساری مخلوق کی طرف اللہ کے رسول اور نبی بن کر تشریف لائے۔ پہلے رسولوں پر جو کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے، وہ دنیا سے غائب ہو چکے تھے، بعض بالکل نایاب تھے اور بعض بعض شکلوں میں موجود تھے مگر ان میں بھی بڑی گڑبڑ کر دی گئی تھی۔ اللہ نے اپنے آخری رسول ﷺ پر جو کتاب نازل فرمائی اس کا نام 'القرآن' رکھا اور اس کی حفاظت بھی اپنے ذمے لے لی۔ اس آخری کتاب میں عقائد و اخلاص کی وہی تعلیم تھی جو پہلی کتابوں میں تھی مگر 'احکام' میں زمانے بلکہ زمانوں کی ضرورتوں کے مطابق ردو بدل کر دیا گیا۔ اس کتاب لازوال میں تمام انسانی مسائل کا حل موجود ہے اور حضور رسول کریم ﷺ نے جس طرح اسے سمجھایا ہے، اس کی روشنی میں خلوص سے دیکھا جائے تو واقعی کسی انسان کے دل کی کسی قسم کی کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔ اس میں عقائد کی وضاحت ہی نہیں بلکہ سیرت و اخلاق، عبادات و معاملات، سیاست و حکومت غرض ہر اعتبار سے یہ بہترین دستور حیات ہے۔ چونکہ سب سے زیادہ

اہم مسئلہ توحید تھا اور انسان سب سے زیادہ اسی میں الجھا ہوا تھا، اس نے اسے خوب کھل کر بیان کیا اور تمام شکوک وشبہات کا قلع قمع کر کے رکھ دیا، چنانچہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی اس کتاب کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی سورتوں میں ایک سورۃ اخلاص ہے، اس میں توحید کا اعلان اور بھی بڑے واشگاف اور دوٹوک انداز میں کیا گیا ہے اور شرک کی مختلف قسموں کی نفی کر دی گئی۔

ا۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ؀

ترجمہ: تم فرماؤ وہ اللہ ہے، ایک ہے

اس میں پہلے دہریوں کا رد کیا گیا جو کہتے تھے کوئی خدا نہیں۔ جواب دیا وہ ہے، اور اس کا نام 'اللہ' ہے۔ پھر جو اس کی ذات وصفات میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے، ان کی تردید 'احد' میں آگئی، کہ وہ اللہ ذات میں واحد اور صفات میں یکتا ہے۔

۲۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ؀

ترجمہ: اللہ بے نیاز ہے

جن کا یہ خیال تھا کہ وہ چھوٹے خداؤں کے اجتماعی فیصلے سے مجبور ہو جاتا ہے، انھیں بتایا گیا کہ وہ سب سے بے نیاز ہے، جو مجبور ہو جائے خدا نہیں ہو سکتا۔ دوسرے مقام پر فرمایا واللہ غنی عن العلمین ؀

۳۔ لَمْ يَلِدْ ۵ وَلَمْ يُوْلَدْ ؀

ترجمہ: نہ اس کی اولاد، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔

جو لوگ بعض نبیوں کو اللہ کے بیٹے اور فرشتوں کو اس کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، بلکہ یہودی تو خود بھی قومی حیثیت سے نحن ابناء اللہ (ہم اللہ کے بیٹے ہیں) کہتے

تھے، سب کا رد کر دیا گیا۔

عموماً مشرکین اپنے 'خداؤں اور دیوتاؤں' کو خدا کے برابر جانتے تھے اور شرک کی اصل بنیاد بھی یہی ہے چنانچہ قرآن پاک کے مطابق مشرکین دوزخ میں اپنے خداؤں سے کہیں گے

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
(الشعرآء ۹۷،۹۸)

ترجمہ: خدا کی قسم بیشک ہم کھلی گمراہی میں تھے، جبکہ تمھیں رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کے برابر ٹھہراتے تھے۔

قرآن پاک کی مختلف سورتوں اور آیتوں میں اس کی مزید تفصیلات اور تشریحات بیان کی گئی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے مختلف صفاتی ناموں اور کاموں کا ذکر ہے مثلاً اس نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو دعایوں سکھائی۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ: یوں عرض کر اے اللہ ملک کے مالک تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے، اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے، بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

اس دعا آموز آیت میں اللہ کو مالک الملک (بادشاہی کا مالک واحد) فرمایا

گیا، نیز بتایا گیا اسی کے کام ہیں کسی کو بادشاہ بنانا یا کسی سے بادشاہی واپس لینا، کسی کو عزت دینا اور کسی کو ذلیل کرنا، اسی کے ہاتھ میں سارا خیر ہے اور وہی سب کچھ کر سکتا ہے بلکہ فاتحہ الکتاب کو ہی دیکھیئے جس میں نہایت جامع انداز میں اس کی صفات کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پرورش فرمانے والا ہے سب جہانوں کا

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

نہایت رحمت والا بیحد رحم فرمانے والا

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝

مالک روز جزا کا

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝

(اے اللہ ہمیں توفیق دے کہ) ہم تیری ہی بندگی کریں اور تجھی سے مدد چاہیں

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝

(ہمیشہ) ہمیں سیدھی راہ چلا

ان آیات میں اللہ کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

وہ رب العلمین (سب جہانوں کا پروردگار) الرحمٰن (عام پر عام رحمت فرمانے والا) الرحیم (خاص پر خاص رحمت فرمانے والا)، معبود واحد اور مستعان حقیقی (یعنی حقیقی مددگار) اور ہادی برحق ہے۔

ایک سوال: جب یہ فرمایا کہ ساری حمد (تعریف) اللہ رب العلمین کے لئے ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی اور کی حمد (تعریف) نہیں کرنی چاہیے، اور اگر یہی توحید ہے تو کیا کسی اور کی حمد (تعریف) کرنے سے 'شرک' ہو جائے گا، اور اگر واقعی کسی کی تعریف سے شرک ہو جائے تو خود قرآن پاک میں مخلوق کے بعض افراد کی کیوں تعریف کی گئی، اور تو اور حضور پرنور ﷺ کو محمد کہنا کیسا رہے گا کیونکہ اس کا معنی ہے 'جس کی بار بار حمد (تعریف) کی جائے' سو خوب یاد رہے حضور ﷺ کو محمد کہنے سے شرک اس لئے نہیں ہوگا۔ اللہ کی حمد (تعریف) اس کے ذاتی اوصاف کی بنا پر ہے اور حضور پرنور ﷺ کی حمد (تعریف) ان کے خداداد کمالات کی بنا پر ہے ایک حضور ﷺ کی بات ہی نہیں، قرآن پاک میں دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام، مقدس فرشتوں، عرش معلیٰ، بہشت بریں، آسمان اور بہت سی دوسری مخلوقات کی جو تعریف کی گئی ہے، ہرگز ہرگز شرک نہیں۔ اس لئے اللہ کی حمد کی جائے تو اس عقیدے کو ذہن نشین رکھا جاتا ہے کہ اس کے تمام اوصاف وکمالات ذاتی ہیں، اور حضور پرنور ﷺ کے اور دوسرے انبیا ومرسلین علیہم السلام بلکہ اولیا وعارفین علیہم الرضوان بلکہ دوسری مخلوقات کے اوصاف وکمالات اللہ کے بخشے ہوئے ہیں یعنی عطائی ہیں۔ اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر جب کسی مخلوق کی تعریف کی جائے گی تو وہ اس (مخلوق) کی تعریف ہی نہیں ہوگی بلکہ اس کو ایسے اوصاف وکمالات بخشنے والے اللہ کی حمد بھی ہوگی بلکہ اصل حمد وتعریف اسی کی ہوگی۔ (اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ حضور پرنور ﷺ کی نعت خود بھی اللہ تعالیٰ کی حمد ہے) سیدھی سی بات ہے کہ عمارت کی تعریف اصل میں معمار کی اور صنعت کی تعریف اصل میں صانع یعنی اس کے بنانے

والے کی تعریف ہوتی ہے۔

مزید غور فرمایئے، اللہ نے خود کو رب العلمین فرمایا یعنی تمام عالمین کا پروردگار اور اسی قرآن پاک میں اس نے اپنے سب سے بڑے محبوب ﷺ کو رحمۃ للعلمین فرمایا (یعنی تمام عالمین کے لئے باعث رحمت، مگر اللہ رب العلمین ہے تو از خود ہے اور اس کے حبیب رب العلمین نہیں، رحمۃ للعلمین ہیں اور وہ بھی از خود نہیں، چنانچہ فرمایا۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

ترجمہ: اور ہم نے نہ بھیجا آپ کو (اے محبوب) مگر رحمت سارے جہانوں کے لئے

گویا حضور ﷺ کو رحمۃ للعلمین اللہ رب العلمین نے بنایا ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ کا رب العلمین ہونا اس کا ذاتی وصف ہے اور حضور ﷺ کا رحمۃ للعلمین ہونا آپ کا عطائی وصف ہے۔ مگر رب العلمین اور رحمۃ للعلمین کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عالمین (یعنی سارے جہان) اللہ کی ربوبیت کے محتاج ہیں، اسی طرح حضور ﷺ کی رحمت کے محتاج ہیں، یعنی اللہ کا جس پر بھی جو کرم بھی ہوگا، وہ حضور پرنور ﷺ کے وسیلے سے ہوگا، یا دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں، "سب کو اللہ ہی دیتا ہے مگر جس کو وہ جو کچھ بھی دیتا ہے"۔ اپنے محبوب اکرم و اعظم ﷺ کے وسیلے سے ہی دیتا ہے اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ سب کو اللہ کے محبوب اکرم و اعظم ﷺ ہی دیتے ہیں، مگر دیتے ہیں اللہ کے فضل سے، گویا اللہ کا فضل اصل میں اس کے حبیب اکرم ﷺ پر ہے اور ان کے واسطے سے باقی سب مخلوق پر۔ اسی لئے قرآن پاک میں بار بار رب نے اپنا تعارف، ربک (یعنی اے حبیب، تیرا رب) کہہ کر کرایا ہے۔ گویا یوں سمجھو رب العلمین کی اصل پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے حبیب کا رب ہے۔ گویا اصل میں

رب بھی ایک ہے اور اس کی ربوبیت کی اصل جلوہ گاہ بھی ایک ہے جو اس کا مربوب ہے

رحمٰن و رحیم: اللہ کا نام رحمٰن بھی ہے اور یہ وہ پاک نام ہے جو اس کے سوا کسی دوسرے کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ یعنی ساری مخلوق میں کسی ایک ذات کو بھی یہ نام نہیں دیا جا سکتا، مگر نام 'رحیم' ایسا نہیں، اسے اللہ نے اسی قرآن پاک میں اپنے حبیب پاک ﷺ کے لئے بھی ذکر فرمایا اور بعض دوسرے بندوں کے لئے بھی مثلاً حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں فرمایا

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (سورۃ الفتح)

ترجمہ: وہ آپس میں رحیم ہیں

جس طرح 'رحیم' کا نام اللہ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو دیا، اسی طرح اپنا نام 'رؤف' بھی آپ ﷺ کو عطا فرمایا،

چنانچہ اپنے بارے میں فرمایا

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (البقرۃ:۱۴۳)

ترجمہ: بیشک اللہ لوگوں پر رؤف (بہت مہربان) رحیم (بے حد رحم فرمانے والا) ہے

اور حضور ﷺ کے بارے میں فرمایا

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ......۱۲۸)

ترجمہ: نبی کریم اب ایمان والوں پر رؤف (بہت مہربان) رحیم (بے حد رحم فرمانے والے) ہیں

اسی طرح قرآن پاک میں بعض صفاتی نام اپنے لئے بھی اختیار فرمائے اور

ان کا اطلاق اپنے پاک بندوں پر بھی فرمایا مثلاً مومن، ملک، علیم، کریم، عظیم، حی (زندہ)، حق، ملک (بادشاہ)، علی (اعلیٰ شان والا)، خبیر، شہید۔ مگر بعض نام ایسے ہیں جو اس کے سوا کسی کے لئے نہیں ہو سکتے مثلاً رحمن، معبود، رب العلمین، رب العرش ۔ہاں رب العلمین، رب العرش، رب الکعبہ، رب السماء والارض وہی ذات پاک ہے مگر صرف 'رب' آقا و مولا اور بادشاہ کے معنی میں اسی قرآن پاک کی صرف سورۃ یوسف میں تین جگہ بادشاہ مصر وغیرہ کے لئے بھی آیا ہے۔ تو یہ شرک نہیں سکھایا گیا، مخلوق پر اس کا ایک ادنیٰ سا احسان جتایا جا رہا ہے۔

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ: یقیناً مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (یعنی روز جزا کا مالک) بھی وہی ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اس دنیا کا مالک نہیں اور معاذ اللہ اس جہاں کا کوئی اور مالک ہے، نہیں ایسا نہیں، اب بھی وہی مالک ہے مگر آج اس کی بادشاہی کا انکار کرنے والے یا اس کی بادشاہی میں دوسروں کو شریک کرنے والے موجود ہیں مگر قیامت میں ایسا نہیں ہوگا۔ وہاں سب اپنے اقتدار و اختیار کے دعوؤں سے دستبردار ہو جائیں گے اور کوئی وہاں اس کے حضور دم نہیں مار سکے گا، تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کا کوئی محبوب بندہ بھی اس کے حضور کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا، نہیں ایسا بھی نہیں۔ اس دن یقیناً سب پر ہول طاری ہوگا، کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں ہوگی، یہ قرآن پاک کی رو سے يَوْمُ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ (یعنی بہت بڑی پریشانی کا دن ہوگا) مگر اس کے باوجود وہ اپنے بعض بندوں کو شفاعت کی اجازت بخشے گا۔ ظاہر ہے یہ شفاعت اس کے محبوب بندے ہی کر سکیں گے اور یہ شفاعت اہل ایمان ہی کے لئے مخصوص ہوگی۔ کوئی کافر، مشرک،

ملحد، منافق اور شفاعت کا منکر اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا، چنانچہ آیۃ الکرسی میں فرمایا

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ

ترجمہ: وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بے اس کے حکم کے

کفار کا یہ عقیدہ یقیناً غلط ہے کہ ان کے بت یا ان کے گرو شفاعت کر سکیں گے، نہ بتوں کو شفاعت کی اجازت ہوگی اور نہ کافر و مشرک شفاعت کے اہل ہوں گے (کہ اللہ کا کوئی محبوب ہی ان کی شفاعت کر سکے اور اللہ کے محبوبوں کو اپنے دشمنوں کی شفاعت سے دلچسپی بھی کیا ہوگی)۔ دوسرے مقام پر مزید وضاحت فرمادی

لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا

(مریم......۸۷)

ترجمہ: لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہی جنھوں نے رحمٰن کے پاس قرار کر رکھا ہے۔

یقیناً انبیاء و رسل علیہم السلام، اولیاء و صلحاء علیہم الرحمہ شفاعت فرمائیں گے مگر اس کا دروازہ اللہ کے سب سے بڑے حبیب اکرم ﷺ ہی کھولیں گے۔ اسی لئے حدیث پاک میں فرمایا

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ اَوَّلُ مَنْ یَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَ اَوَّلُ شَافِعٍ وَ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ (مسلم)

ترجمہ: قیامت کے روز اولاد آدم کا سردار میں ہوں، سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی۔ سب سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت منظور ہوگی۔

ترمذی اور دارمی کی ایک حدیث میں یہ الفاظ کریمہ بھی ہیں

اَلْکَرَامَةُ وَالْمَفَاتِیْحُ یَوْمَئِذٍ بِیَدِیْ

یعنی قیامت کے دن عزت اور چابیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی۔

حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ عزت اور چابیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی، بالکل اسی طرح ہے جیسے رب مالک یوم الدین ہے۔ یعنی وہ مالک تو اب بھی ہے، مگر آج منکر اسے اپنا مالک تسلیم نہیں کرتے۔ ہاں قیامت کے دن کوئی اس کے مالک ہونے کا انکار نہیں کر سکے گا۔ یونہی عزت اور چابیاں اب بھی حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہیں مگر آج دنیا میں دشمن اسے تسلیم نہیں کرتے بلکہ عام انسانوں کی طرح حضور پرنور ﷺ کو "بے بس" ہی معاذ اللہ مانتے ہیں مگر قیامت کے دن اپنی آنکھوں سے اللہ کے حبیب ﷺ کا اقتدار و اختیار دیکھیں گے اور وہاں کوئی انکار نہیں کر سکے گا، بلکہ حقیقت وہی ہے جو حضرت حسن رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے بیان فرمائی ہے۔

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا

کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

حضور ﷺ کی شان و شوکت اور عزت و وجاہت کا ظہور یوں بھی ہوگا کہ آپ کے نائبین اور امت کے صلحاء کو بھی شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے

یَشْفَعُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ثَلٰثَةٌ ن الْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ (ابن ماجہ۔ مشکوۃ)

ترجمہ: قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے،

پہلے انبیاء پھر علماء پھر شہداء۔

ایک اور حدیث پاک بھی ملاحظہ ہو

اِنَّ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّشْفَعُ لِلْفِئَامِ وَ مِنْهُمْ مَنْ یَّشْفَعُ لِلْقَبِیْلَةِ وَ مِنْهُمْ مَنْ یَّشْفَعُ لِلْعُصْبَةِ وَ مِنْهُمْ مَنْ یَّشْفَعُ لِلرَّجُلِ حَتّٰی یَدْخُلُوا الْجَنَّةَ (ترمذی)

ترجمہ: میری امت میں سے بعض وہ ہیں جو ایک پوری جماعت کی شفاعت کریں گے اور ان میں سے بعض ایک قبیلے کی شفاعت کریں گے اور ان میں سے بعض ایک کنبے کی اور بعض ایک آدمی کی شفاعت کریں گے حتیٰ کہ (یہ سب) جنت میں داخل ہو جائیں گے

بعض لوگ حضور پر نور ﷺ کے فضائل و کمالات کے ذکر سے بہت چڑتے ہیں مثلاً ان کے نزدیک خدا کے مالک روز جزا ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں اس کے فرمانبردار اور نافرمان بندوں کا ایک ہی حال ہو، اور کوئی بھی کسی قسم کی عزت سے سرفراز نہ ہو۔ افسوس ان کے بغض نے انھیں ایسا اندھا کر دیا ہے کہ یوم الدین (روز جزا) کے الفاظ پر بھی غور نہیں کرتے، جناب یوم قیامت روز جزا کا نام ہے تو کیا اچھوں، بروں اور مسلمانوں، کافروں کی ایک ہی طرح کی جزا ہونی چاہئے اور پھر جب اہل ایمان کے ایمان واعمال میں فرق ہو تو کیا سب مومن ایک ہی درجے میں ہوں گے اور جب مومنوں کے درجے اور ان کی جزائیں مختلف ہیں تو کیا نبی اور امتی کی جزا ایک سی ہو سکتی ہے۔ افسوس نبیوں کو بھائی سمجھنے والوں کی مت ایسی ماری گئی ہے کہ انھیں برابری کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ بدبختوں کو اتنی عقل نہیں کہ جو دنیا میں

سب نبیوں کا سردار بن کے آیا، قیامت کے دن اس کا اجر بھی بے حساب ہونا چاہئے۔ کیا قرآن پاک کا فرمان یاد نہیں۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ۔۵)

ترجمہ: اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

روایت ہے کہ اس آیت کے نزول پر حضور پرنور ﷺ نے فرمایا............

اِذًا لَّا اَرْضٰى وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِىْ فِى النَّارِ یعنی میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہے گا۔

آیت کا مضمون ایک حدیث کے آخری حصے میں آتا ہے کہ اللہ نے اپنے حبیب پاک ﷺ سے فرمایا

اِنَّا سَنُرْضِيكَ فِىْ اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْؤُكَ (مسلم شریف)

ترجمہ: ہم تمھاری امت کے بارے میں تمھیں راضی کر دیں گے۔

وہی معبود ہے اور وہی مستعان حقیقی: عبادت کے معنی ہیں تعظیم کا سب سے اعلیٰ درجہ یقیناً اس کے لائق وہی ہے جو سب سے بڑا ہے اور وہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ، تعظیم کے دوسرے درجوں کو عبادت نہیں کہتے، اس لئے قرآن پاک میں فرمایا گیا۔

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ

(الحج۔۳۲)

ترجمہ: بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے

چنانچہ اللہ کی نشانیوں کی تعظیم بھی اگرچہ اعلیٰ تعظیم ہے مگر عبادت نہیں، عبادت تو تعظیم کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ جس طرح اللہ کی نشانیوں کی تعظیم عبادت نہیں، یونہی اللہ کے نبیوں، رسولوں علیہم السلام کی تعظیم، صحابہ، اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی تعظیم، پیرومرشد، اساتذہ ووالدین بلکہ اپنے کسی بڑے کی تعظیم بھی عبادت نہیں ہوگی۔ بلکہ اللہ کی نشانیاں تو اللہ والوں کی نسبت ہی سے اللہ کی نشانیاں بنتی ہیں۔

یقیناً عبادت (یعنی سب سے بڑی تعظیم) کے لائق اللہ کے سوا کوئی نہیں، جن لوگوں نے اس کے سوا کسی کو بھی عبادت کے لائق جانا، مشرک ہو گئے۔ ہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح اللہ کے سوا کسی کو معبود سمجھنے والا مشرک ہو جاتا ہے اور اس کی شفاعت و بخشش ناممکن ہوتی ہے، یونہی اس کے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی تعظیم کے منکر بھی کافر ہیں اور شفاعت و بخشش کے اہل نہیں، اللہ تعالیٰ نے جہاں قرآن پاک میں اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اس کے ساتھ ہی اپنے محبوب اعظم ﷺ کی تعظیم بھی سکھائی۔ چنانچہ فرمایا۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ (الحجرات:۲)

ترجمہ: اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

اعمال ضبط ہونا صرف اسی صورت میں متصور ہوگا جب انسان کافر و مشرک ہو جائے، سرسری نظر سے دیکھا جائے تو کسی کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنا توہین کا سب سے ادنیٰ درجہ ہی ہو سکتا ہے تو سوچئے جس محبوب اعظم و اکرم ﷺ کی سب سے ادنیٰ سی توہین کفر کے برابر ہو، اس کے علم و اختیار کا انکار کتنا بڑا کفر ہوگا۔ ہاں ہاں جس قرآن پاک میں والدین کا ادب سکھاتے ہوئے فرمایا گیا۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝

(بنی اسرائیل ۲۳)

ترجمہ: اور آپ کے رب نے حکم فرمایا کہ (اے لوگو) اس (اللہ) کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک رکھو اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو (اے مخاطب) انہیں اف (تک) نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان کے ساتھ ادب سے بات کرنا

اس کی رو سے صاحب قرآن ﷺ کی تعظیم کتنی ضروری ہوگی۔

آج کل بعض لوگوں نے اس نکتے کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور محبوبان خدا کی تعظیم کرنے والوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ تعظیم کے سب سے اعلیٰ درجے کو نہیں بلکہ ہر درجے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ یہی فرق تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ملعون منافقوں کے طرز فکر میں۔

چنانچہ منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی سے جب کہا گیا کہ چلو حضور ﷺ کی بارگاہ میں، تمھیں معافی دی جائے، تو بولا

امر تمونی ان اومن فامنت وامر تمونی ان اعطی
زکاۃ مالی فاعطیت فما بقی الاان اسجد المحمد

(تفسیر جامع البیان، جلد ۱۴)

ترجمہ: (اے مسلمانو!) تم نے مجھے ایمان لانے کا حکم دیا تو میں ایمان لے آیا، تم نے مجھے اپنے مال سے زکوۃ دینے کا حکم دیا تو میں نے وہ بھی دے دی، سو اب میرے لئے اس کے سوا کیا رہ گیا کہ **محمد** کو سجدہ کروں۔

دیکھا آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنے نبی حضور پر نور ﷺ کی بارگاہ میں سراپا ادب ہونا اسے برداشت نہیں ہو رہا۔ اس کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کو مسجود (و معبود) ٹھہرالیا ہے۔ آج کل بھی بعض ایسے لوگ اہل ایمان کو اولیاء اللہ کا ادب کرتے دیکھتے ہیں تو اسی قسم کا تبصرہ کرتے ہیں کہ تم نے تو پیروں فقیروں کو خدا بنالیا ہے۔

اللہ کریم ہی جیسا کہ ایاک نعبد سے ظاہر ہے، معبود واحد و یکتا ہے اور جس طرح وہ معبود واحد ہے یونہی حقیقی مددگار بھی وہی ہے جیسا کہ ایاک نستعین سے ظاہر ہے۔ مگر یاد رہے عبادت کی قسمیں نہیں لہذا عبادت کسی مفہوم میں بھی کسی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں۔ ہاں مددگار دو طرح کے ہیں، ایک حقیقی، اور دوسرا مجازی، لہذا حقیقی

مددگار تو صرف اللہ پاک ہی ہے مگر اس کے فضل و کرم سے، اس کی توفیق و تقدیر سے، دوسرے بھی کسی نہ کسی حد تک مدد کر سکتے ہیں، بلکہ جب یہ عقیدہ ہو کہ باقی مددگار اللہ کے فضل سے ہی مدد کر سکتے ہیں تو ان کی مدد بھی دراصل اللہ ہی کی مدد ہوتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے (اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ نے اسی آیت کے تحت اس کی تصریح فرمائی ہے) اس کی وضاحت قرآن کریم کی کئی آیات سے ہو جاتی ہے، مثلاً اوپر آپ پڑھ آئے ہیں کہ قیامت میں محبوبانِ خدا کو 'شفاعت' کی اجازت ہوگی تو ظاہر ہے یہ بھی ایک عظیم مدد ہے۔ اسی طرح اس قرآنی اعلان پر غور فرمایئے

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ○ (التحریم۔۴)

ترجمہ: تو اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔

دیکھیے جس قرآن پاک میں ایاک نستعین ہے اسی میں یہ آیت بھی ہے، جس میں اللہ نے اپنے ساتھ ساتھ جبریل علیہ السلام، صالح مومنوں اور فرشتوں کے مددگار نبی ﷺ ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔

اس قسم کا اعلان بہت سی دوسری آیتوں میں بھی مذکور ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آیت کریمہ

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○

اس سے مراد یہ بھی ہے کہ 'اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں کہ تری عبادت کر سکیں، کیونکہ تیرے فضل کے بغیر ہم تیری عبادت بھی

نہیں کر سکتے، بقول شاعر

مری طلب بھی ترے ہی کرم کا صدقہ ہے
یہ ہاتھ اٹھتے نہیں ہیں، اٹھائے جاتے ہیں

اسی مفہوم کو حضرت شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ نے یوں بیان فرمایا ہے

اگر رحمت حق نہ یاری کند
کجا بندہ پرہیز گاری کند

(یعنی اگر رحمت حق مدد نہ فرمائے تو بندہ پرہیز گار نہیں ہو سکتا)

بلکہ حدیث پاک میں یہ دعا جو سکھائی گئی ہے، اسے پیش نظر رکھئے

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ (ابوداؤد، نسائی، ابن حبان)

ترجمہ: اے اللہ میری مدد فرما کہ تیرا ذکر کروں اور تیرا شکر کروں اور تیری اچھی عبادت کروں

اس حدیث پاک میں دیکھئے، تفصیل یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام انسانی لباس میں حضور پرنور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محفل جمی ہوئی تھی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے متعدد سوال عرض کئے۔ جن میں ایک یہ تھا الاحسان یعنی (یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم) احسان کیا ہے؟
حضور ﷺ کا جواب یہ تھا

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے سو اگر ایسا نہ کر سکے تو

(یہ عقیدہ پختہ ہو) کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے

اسی کے پیش نظر صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ایاک و نعبد و ایاک نستعین کا ترجمہ یوں کیا ہے

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرا ہی مشاہدہ مانگتے ہیں۔

ہادی حقیقی:

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ

ترجمہ: ترجمہ: ہمیں سیدھے راستے پر چلا

سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقت میں سیدھے راستے پر اللہ ہی چلا سکتا ہے۔ یقیناً حقیقی ہادی وہی ہے، اور اس کا ارادہ نہ ہو تو کسی کو ایمان و عمل صالح کی توفیق نہیں مل سکتی۔ ہاں اسی نے صراط مستقیم دکھانے کے لئے اپنے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو بلکہ ان کے سچے وارثوں علماء و صوفیہ علیہم الرحمۃ کو بھی ہادی بنایا۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا

اِنَّكَ لَتَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝ (الشوریٰ۔۵۲)

ترجمہ: اور بیشک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو۔

ایک اور جگہ فرمایا

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِـتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۝ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ۝

ترجمہ: ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمھاری طرف اتاری کہ تم لوگوں

کو اندھیریوں سے اجالوں میں لاؤ ان کے رب کے حکم سے اس
کی طرف جو عزت والا سب خوبیوں والا

غرض یہ ہے اللہ کے چند اسماء صفاتی (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) ان کے علاوہ بہت سے نام ایسے ہیں جنھیں اللہ نے اپنے لئے بھی اختیار فرمایا اور مخلوق کو بھی عطا فرمائے۔ مثلاً علیم، کریم، رحیم، ظہیر مگر یہ فرق ہمیشہ پیش نظر رہے کہ اللہ علیم ہے تو ذاتی طور پر اور اس کا پاک بندہ بھی علیم ہے اور عطائی طور پر یعنی اس کے فضل سے یونہی اللہ خود کریم، عظیم، ظہیر، ولی (مددگار) ہے مگر اس کا بندہ بھی کریم، عظیم، ظہیر و ولی ہے مگر اللہ کے فضل سے اللہ سمیع (سننے والا) بصیر (دیکھنے والا) حی (زندہ) ہے مگر ذاتی طور پر اور انسان سمیع، بصیر، حی ہے تو اس کی عطا سے یعنی عطائی طور پر، اگر اس فرق کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو معاذ اللہ قرآن پاک میں ہر جگہ تضاد نظر آئے گا جو اللہ کی کتاب میں قطعاً ناممکن ہے خدائے کریم فرماتا ہے

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ
لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ○ (النسآء۔۸۲)

ترجمہ: تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر وہ غیر خدا کے پاس
سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے

آپ کو ماننا ہوگا کہ اللہ کو سمیع و بصیر کہا جائے گا تو اس کی ذاتی حیثیت سے اور اگر بندے کو سمیع و بصیر کہا جائے (جیسا کہ قرآن پاک نے فرمایا ہے) تو عطائی اعتبار سے جو قطعاً توحید کے خلاف نہیں، یونہی حضور ﷺ کا دانائے غیوب، حاضر و ناظر، معین، مددگار، حاجت روا، مشکل کشا اور مختار کل ہونا بھی شرک نہیں۔

آیئے دو پاک پیغمبروں علیہما السلام کے قرآنی الفاظ پر بھی غور کیجیے۔
حضرت نوح علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں یوں دعا کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود یہ دعا انھیں سکھائی۔

فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۝ (المومنین:۲۸،۲۹)

ترجمہ: پھر جب ٹھیک بیٹھے تو اور تیرے ساتھ والے تو کہہ کہ سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں ان ظالموں سے نجات دی اور عرض کر اے میرے رب مجھے برکت والی جگہ اتار اور تو خیر المنزلین (سب سے بہتر اتارنے والا) ہے۔

یہاں اللہ کو خیر المنزلین کہا گیا ہے،

اب آیئے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس فرمان کی طرف جو انھوں نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا۔

اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْ اُوْفِی الْكَیْلَ وَاَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۝ (یوسف۔۵۹)

ترجمہ: کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پورا ماپتا ہوں اور میں خیر المنزلین (سب سے بہتر مہمان نواز) ہوں۔

یہاں حضرت یوسف علیہ السلام اپنے آپ کو خیر المنزلین فرما رہے ہیں۔
ظاہر ہے اللہ کا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ہونا اس کی عظمت کے لائق ہے اور حضرت یوسف کا خیر المنزلین ہونا ان کی شان کے مطابق ہے۔ یونہی اللہ کا کسی کو زندہ

کرنا اس کی شان کے لائق ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ کرنا اللہ کے اذن و فضل سے ہے جو انہیں کے لائق ہے۔

بظاہر ایک جیسی نظر آنے والی صفات کے باوجود بہت فرق ہے کیونکہ اللہ کی صفات اس کی ذات کی طرح ہمیشہ سے ہمیشہ تک یعنی قدیم ہیں اور مخلوق کی صفات اس کی ذات کی طرح ہمیشہ سے نہیں اور نہ ہمیشہ تک ہیں یعنی حادث ہیں بلکہ ان صفات میں فرق یہ بھی ہے کہ خالق کی ہر صفت غیر محدود ہے جبکہ مخلوق کی کوئی صفات بھی غیر محدود نہیں بلکہ اللہ کی صفات کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں مثلاً اللہ علیم ہے تو اس کا علم بھی اس کی ذات کی طرح قدیم ہے، ازلی و ابدی ہے اور غیر محدود ہے۔ بندے کا علم قدیم نہیں بلکہ حادث ہے، اور غیر محدود نہیں بلکہ علم الٰہی کے مقابلے میں بالکل محدود ہے

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں

"کسی مخلوق کا معلومات الٰہیہ کو بتفصیل تام محیط ہو جانا شرع سے بھی محال ہے۔ اور عقل سے بھی۔ بلکہ اگر تمام اہل عالم اگلے پچھلوں سب کے جملۂ علوم جمع کیے جائیں، تو ان کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہو گی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے کو دس لاکھ سمندروں سے" (خالص الاعتقاد)

یہی حال مخلوق کی دوسری صفات کا ہے۔ مثلاً اللہ زندہ ہے تو ایسا کہ سب کی زندگی اس کے قبضۂ اختیار میں ہے ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور وہ زندگی میں کسی روشنی، ہوا، آب و دانہ کا محتاج نہیں بلکہ یہ سب چیزیں جو مخلوق کی زندگی کا بظاہر سہارا ہیں، اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ ہاں ہاں انسان اسباب کا محتاج ہے مگر اللہ ان اسباب کا (معاذ اللہ) محتاج نہیں بلکہ ان کا پیدا فرمانے والا (مسبب الاسباب) ہے

جس طرح اللہ کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں، یونہی اس کے اسماء افعال واحکام وغیرہ میں بھی کوئی شریک نہیں۔ اس کے اسما (یعنی نام) اس کی قدیم صفات کی بنا پر غیر محدود اور غیر مستقل معانی کے حامل ہیں، اور مخلوق کے اسماء اس کی محدود و غیر مستقل صفات کے آئینہ دار، یونہی اللہ حاکم حقیقی ہے اور اس کے احکام اس کی اسی قدیم و غیر محدود شان کو ظاہر کرتے ہیں، لہذا دنیا میں بڑے سے بڑا حاکم بھی اس شان کا حامل نہیں بلکہ اس کی جتنی بھی شان ہے یا اختیار و اقتدار ہے، سب اسی ذات واحد کا بخشا ہوا ہے۔ لہذا اس انسان کے احکام کو اللہ کے احکام سے کیا نسبت اور یونہی اس کے افعال کو اس ذات وحدہ لاشریک لہ کے افعال سے کیا علاقہ۔

شرک کا مفہوم: مشہور مقولہ ہے

اَلْاَشْیَاءُ تُعْرَفُ بِاَضْدَادِھَا

ترجمہ: چیزوں کی پہچان ان کے اضداد (یعنی متضاد چیزوں) سے ہوتی ہے۔

لہذا توحید کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم شرک کو سمجھیں۔

کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانے کا مطلب ہے کسی کو اس کی الوہیت میں شریک ٹھہرانا اور الوہیت کا (ایک) معنی ہے واجب الوجود ہونا، جس طرح مجوس لوگ آگ کو واجب الوجود سمجھتے ہیں یا اس کا (دوسرا) معنی ہے عبادت کا مستحق ہونا جیسا کہ بت پرست (اپنے بتوں کو عبادت کا مستحق سمجھتے ہیں)

اس کی مزید تفصیل یوں سمجھئے، ساری توحید ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔

گویا یہ ماننا کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں، توحید ہے اور اللہ کے سوا کسی کو الہ ماننا شرک ہے۔ رہ گیا یہ کہ الہ سے مراد کیا ہے، سوالہ وہ ہے جس میں صفت الوہیت ہو۔ گویا توحید یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی میں الوہیت نہیں اور شرک اس کے برعکس یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے میں بھی الوہیت مانی جائے اور الوہیت کا دارومدار دو چیزوں پر ہے

ا۔ واجب الوجود ہونا، اللہ کے سوا کسی کو بھی واجب الوجود سمجھنا شرک ہے۔

واجب الوجود وہ ہے جو خود موجود ہو، ہمیشہ سے ہو ہمیشہ رہنے والا ہو۔ جو شخص اللہ کے سوا اور کسی کو بھی واجب الوجود نہیں مانتا مشرک نہیں۔

۲۔ مستحق عبادت ہونا، یونہی جو اللہ ہی کو عبادت کا مستحق جانتا ہے، موحد ہے، مشرک نہیں۔

مختصر یہ کہ اللہ کے سوا کوئی واجب الوجود نہیں اور جب اللہ ہی واجب الوجود ہے تو وہی قدیم، خالق، مدبر حقیقی اور مالک حقیقی ہے۔ سب اس کے فضل کے محتاج اور اس کی تقدیر کے پابند ہیں، چونکہ سب سے بڑا وہی ہے لہذا تعظیم کے سب سے اونچے درجے یعنی عبادت کا وہی مستحق ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو کچھ دیتا ہے تو اسی کے فضل سے دیتا ہے، یعنی اصل دینے والا اللہ ہے، یہ دوسرا محض وسیلہ اور سبب ہے۔ ہاں ہاں اصل حاجت روا اور مشکلکشا اسی کی ذات ہے، اگر کوئی اور کسی کی مشکل کے حل کا سبب بنتا ہے یا کسی حاجت کے پورا ہونے کا ذریعہ بنتا ہے تو اسے مشکلکشا اور حاجت روا کہنا محض واسطے اور وسیلے کی حیثیت سے ہے اور کتاب وسنت کی رو سے یہ جائز ہے اس قسم کے

قرآنی اطلاقات، کی کثیر تعداد دیکھنے کے لئے اس سگ بارگاہ حضور نقش لاثانی (آسی) کی کتاب 'توحید اور محبوبان خدا کے کمالات' کا مطالعہ فرمایئے، یہاں صرف ایک روایت ملاحظہ ہو (صرف ابتدائی چند جملے)

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ مَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ اَخِيْهِ...... الخ (مسلم)

ترجمہ: جو شخص کسی مسلمان سے دنیا کی سختیوں میں سے ایک سختی دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے روز قیامت کی سختیوں میں سے ایک سختی دور فرمائے گا اور جس نے کسی تنگ دست پر آسانی، کی اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس پر آسانی فرمائے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ اس کی دنیا و آخرت میں پردہ پوشی فرمائے گا اور اللہ اپنے بندے کی مدد فرماتا رہتا ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے

توحید یعنی اللہ پر ایمان کے فائدے

حکیم الامت حضرت اقبال علیہ الرحمہ نے مثنوی 'رموز بے خودی' میں ایک عنوان باندھا ہے

"در معنی ایں کہ یاس و حزن و خوف ام الخبائث است و قاطع حیات و توحید ازالہ امراض خبیثہ می کند"

ترجمہ: اس حقیقت کے بیان میں کہ نا امیدی، غم اور خوف غیر خدا سب سے بڑے (نفسیاتی) امراض و خبائث ہیں، یہ انسانی زندگی (اور اس کی توانائیوں) کو لے ڈوبتے ہیں اور توحید کا عقیدہ ان بدترین روحانی امراض کا ازالہ کر دیتا ہے۔

سب سے پہلا نفسیاتی مرض نا امیدی ہے: حضرت حکیم الامت نے پھر اپنے حکیمانہ و شاعرانہ انداز میں اس حقیقت کی تشریح فرمائی ہے۔ ان کے نزدیک پاکیزہ و انقلابی خواہشات سے دستبردار ہو جانا انسان کے لئے گویا سامان موت ہے (خدا کے فضل سے) امید ہی سے زندگی مضبوط ہوتی ہے ورنہ مایوسی تو انسان کو ناتوان و نامراد بنا دیتی ہے اور امید پیدا ہوتی ہے اللہ پر ایمان کامل یعنی توحید کے مضبوط عقیدے سے۔ اگر اللہ کی رحمت پر ایمان ہی نہ ہو تو مایوسی کا علاج ناممکن ہے۔ چنانچہ قرآن پاک فرماتا ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (الزمر: ۵۳)

ترجمہ: تم فرماؤ، اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو، بیشک اللہ سب گناہ بخش

دیتا ہے، بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

اسی قرآن پاک میں ہے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے صاحبزادوں کو حضرت یوسف علیہ السلام اوران کے بھائی کی تلاش کا حکم دیا تو ساتھ ہی فرمایا

وَلَا تَا يْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَا يْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (یوسف۔۸۷)

ترجمہ: اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بیشک اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر لوگ۔

دیکھا اللہ کے پاک پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام نے کافر و مومن میں کیا فرق بیان فرمایا ہے۔ اسی واقعے پر غور فرمائیں عقل ظاہر بیں کی رو سے حضرت یوسف علیہ السلام کی 'بازیابی' کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر نبوت کی آنکھ اللہ کی وسعت رحمت وقدرت پر تھی، صاف صاف سمجھا دیا کہ گویا اللہ کو قادر مطلق اور رحمٰن ورحیم سمجھنے والا کبھی مایوس نہیں ہوسکتا۔ حق یہ ہے اللہ کے پاک بندوں ہی کے طرز فکر اور طرز عمل سے 'توحید' کی تفسیر ہوسکتی ہے اور قرآن پاک میں ان واقعات کو بیان کرنے کی اہم وجہ یہی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ رہنمائی اس رسول اعظم ﷺ کی سیرت طیبہ سے ملتی ہے جو سب کا ہادی اور سب کے لئے اسوہ حسنہ ہے۔ حضرت اقبالؔ فرماتے ہیں۔ (صرف منتخب اشعار)

مرگ را ساماں ز قطع آرزوست
زندگانی محکم از لاتقنطو است
زندگی را یاس خواب آور بود
ایں دلیل سستی عنصر بود

ازدمش میرد قوائے زندگی
خشک گردد چشمہ ہائے زندگی

دوسرا انفسیاتی و روحانی مرض غم ہے: اقبال علیہ الرحمہ کے بقول

"غم رگ جاں را مثال نشتر است"

یعنی غم بھی رگ جاں کے لئے نشتر کی طرح مہلک ہے۔ چنانچہ مرد مومن کو تلقین فرماتے ہیں

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر
از نبی تعلیم لاتحزن بگیر
ایں سبق صدیق را صدیق کرد
سر خوش از پیمانہ تحقیق کرد

یعنی اے غم کے قیدی، اپنے نبی مکرم و معظم ﷺ کے مکتب نبوت سے وہ علم پڑھ جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو غار ثور میں پڑھایا گیا تھا وہ کیا تھا۔ قرآن پاک میں ہے

اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ۔۴۰)

ترجمہ: جب کافروں کی شرارت سے انھیں باہر تشریف لے جانا ہوا اس حال میں کہ وہ دو میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے فرمارہے تھے لَا تَحْزَنْ اِنَّ

اللّٰہَ مَعَنَا ۔ (غمگین نہ ہو، بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے)

حضرت اقبال فرماتے ہیں مرد مومن رنج وغم سے آلودہ نہیں ہوتا بلکہ سراپا تسلیم ورضا بن کر اپنے رب کی خوشنودی حاصل کر لیتا ہے۔ وہ اس طرز فکر وعمل سے ستارے کی طرح دنیا سے بلند وروشن ہو جاتا ہے اور زندگی کی راہ میں دکھوں، مشکلوں اور آفتوں کے باوجود مسکراتا رہتا ہے۔ اس سلسلے میں آخری فیصلہ یوں فرماتے ہیں (اور یہ شعر یاد رکھنے کے قابل ہے)

گر خدا داری زغم آزاد شو　　　از خیال بیش وکم آزاد شو

ترجمہ: اگر واقعی خدا پر تیرا ایمان ہے تو تجھے غم سے ہمیشہ کے لیے
آزاد ہو جانا چاہئے کیونکہ جب خدا تیرے ساتھ ہے تو پھر غم کا ہے
کا، ہاں ہاں کمی وبیشی کے خیالات بھی توحید کے منافی ہیں، ان
سے بھی جان چھڑا لے۔

تیسرا مرض ہے خوف غیر اللہ: خوف غیر اللہ کے نقصانات کیا ہیں، اقبال فرماتے ہیں

بیم غیر اللہ عمل را دشمن است　　　کاروان زندگی را رہزن است

یعنی غیر اللہ کا خوف انسان کو 'عمل' سے روکتا
ہے اور 'زندگی' کے قافلے کو لوٹ لیتا ہے
(گویا تمام توانائی کو غیر موثر کر کے رکھ دیتا ہے)

عزم محکم ممکنات اندیش ازو
ہمت عالی تامل کیش ازو

یعنی مضبوط ارادے والے انسان پر بھی غیر اللہ کا خوف مسلط ہو جائے تو وہ عملی قدم اٹھانے کی بجائے امکانات کا جائزہ ہی لیتا رہتا ہے اور بڑے بڑے بلند ہمت لوگ اس کے زیر اثر سوچ بچار میں ہی وقت گزار دیتے ہیں

غرض ہر شر پنہاں کہ اندر قلب تست
اصل او بیم است اگر بینی درست
لابہ و مکاری و کین و دروغ !!
ایں ہمہ از خوف می گیرد فروغ
پردۂ زور و ریا پیراہنش
فتنہ را آغوش مادر دامنش

ترجمہ: ہر برائی جو تیرے دل میں چھپی ہوئی ہے، اس کی بنیاد بھی یہی خوف غیر اللہ ہے (اگر تو ٹھیک ٹھیک سمجھے) مثلاً خوشامد، مکروفریب، بغض و کینہ اور جھوٹ جیسی بری صفات اسی خوف سے پروان چڑھتی ہیں۔ کذب وریاکاری اس خوف کا پیراہن ہے اور فتنہ وفساد کے لیئے اس کا دامن آغوش مادر ہے بالیقیں غیر خدا کا خوف بہت بڑا مرض ہے اور اس کا علاج بھی عقیدہ توحید ہی سے ممکن ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو اللہ پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہیں

اور یہ ایمان ان کے رگ و ریشہ میں سما جاتا ہے، یعنی اولیاء اللہ، اس
خوف سے پوری طرح آزاد و محفوظ رہتے ہیں۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (یونس:۶۲)

ترجمہ: سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔

ایمانی طاقت ہی تیرے لئے حیات افزا ہے، تجھے چاہیے کہ اولیاء اللہ کی سیرت کو سامنے رکھے اور) اس مندرجہ بالا آیت کا ورد کرتا رہے۔ (کیا تجھے خبر نہیں کہ جب حضرت کلیم علیہ السلام فرعون کی طرف جاتے ہیں تو ان کا دل (اللہ کے حکم لاتخف یعنی اے موسیٰ) 'مت ڈر' سے مضبوط ہوتا ہے۔ (لہذا فرعونوں اور طوفانوں کا مقابلہ یونہی ہو سکتا ہے کہ غیر اللہ کا خوف قطعاً دل میں نہ ہو۔

ذرا غور فرمایئے: اللہ جل مجدہ نے جہاں بھی توحید اور اس کے اثرات و ثمرات کا ذکر فرمایا، اپنے پاک اور محبوب بندوں کے حوالے سے فرمایا۔ یہیں دیکھ لیجئے۔ حضرت اقبال کا حاصل مطالعہ یہی ہے کہ توحید تین بدترین نفسیاتی و روحانی بیماریوں کا علاج ہے، یعنی اللہ پر ایمان رکھنے والا نہ اس کی رحمت سے مایوس ہوتا ہے اور نہ حزن و خوف کا شکار ہوتا ہے۔ توحید کے ان تینوں فوائد کا ذکر اللہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام اور اولیاء اللہ کے حوالے سے کیا ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ اللہ والوں سے تعلق نہ ہو تو توحید کے انوار سے دل روشن ہو ہی نہیں سکتا اور اس کے ثمرات و برکات کا جلوہ دیکھا ہی نہیں جا سکتا۔ جو خوش نصیب اللہ کے پیغمبروں (علیہم السلام) کی صحبت سے مشرف ہوئے، وہ ان کے اصحاب

حکیم الامت حضرت اقبال کا بھی نقطۂ نظر ہے (جسے آپ نے بار بار دہرایا)

مثلاً ۔ (۱) صحبت اہل نظر، نور و سرور و حضور
سرخوش و پر کیف ہے لالہ لب آبجو!

(۲) فیصلہ دل کا اگر مد نظر ہے تجھ کو
مرد مومن کی نگاہ غلط انداز ہے بس

۳۔ رباعی دم عارف نسیم صبحدم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

یہ رباعی دراصل آزاد ترجمہ ہے لسان الغیب حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمہ کے شعر کا، وہ فرماتے ہیں

شبان وادیٔ ایمن گہے رسد بمراد چو چند سال بجاں خدمت شعیب کند علیہ السلام

صحبت کی تاثیر ایک ایسی چمکتی ہوئی حقیقت ہے جس کا کوئی باشعور، منصف مزاج انسانی فطرت کا مطالعہ کرنے والا انکار نہیں کر سکتا اور تاریخ اسلام تو اس قسم کے ہزاروں واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں ہر ایک اس پر شاہد عادل ہے۔ یہاں واقعی محض علم وہ کام نہیں دیتا جو اللہ والوں کی صحبت دیتی ہے۔

دربار لاثانی علی پور سیداں شریف: الحمد للہ دور آخر میں سند العارفین، شیخ الکاملین، غوث صمدانی، قطب ربانی، قیوم زمانی، شاہباز لامکانی حضور شہنشاہ لاثانی قدس

حکیم الامت حضرت اقبال کا بھی نقطۂ نظر ہے (جسے آپ نے بار بار دہرایا)

مثلاً ۔ (۱) صحبت اہل نظر، نور و سرور و حضور
سرخوش و پر کیف ہے لالۂ لب آبجو!

(۲) فیصلہ دل کا اگر مد نظر ہے تجھ کو
مرد مومن کی نگاہ غلط انداز ہے بس

۳۔ رباعی دم عارف نسیم صبحدم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

یہ رباعی دراصل آزاد ترجمہ ہے لسان الغیب حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمہ کے شعر کا، وہ فرماتے ہیں

شبان وادیٔ ایمن گہے رسد بمراد   چو چند سال بجاں خدمت شعیب کند علیہ السلام

صحبت کی تاثیر ایک ایسی چمکتی ہوئی حقیقت ہے جس کا کوئی باشعور، منصف مزاج انسانی فطرت کا مطالعہ کرنے والا انکار نہیں کر سکتا اور تاریخ اسلام تو اس قسم کے ہزاروں واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں ہر ایک اس پر شاہد عادل ہے۔ یہاں واقعی محض علم وہ کام نہیں دیتا جو اللہ والوں کی صحبت دیتی ہے۔

دربار لاثانی علی پور سیداں شریف: الحمدللہ دور آخر میں سند العارفین، شیخ الکاملین، غوث صمدانی، قطب ربانی، قیوم زمانی، شاہباز لامکانی حضور شہنشاہ لاثانی قدس

سرہٗ النورانی کی صحبت کیمیا اثر بھی قلب ونظر میں توحید و ایمان کے جلوے اور علم وعمل کے انوار بھرنے میں 'لاثانی' تھی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے بعض ایسے حضرات کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ جو بظاہر بہت کم پڑھے تھے یا بالکل اَن پڑھ تھے مگر شیخ لاثانی کی صحبت وتربیت نے انھیں کہیں کا کہیں پہنچا دیا تھا ایک میں ہی نہیں، بعض جید علماء بھی اِن اَن پڑھ بوڑھوں کی باتیں سن کر انگشت بدنداں رہ جاتے۔ آج سکول وکالج کی فضا ہی شکوک وشبہات کے دھوئیں سے تاریک نہیں، بلکہ مکتب ومدرسہ کو بھی بعض لوگوں نے سکون واطمینان کے فیضان سے محروم کردیا ہے۔ ایسے میں توحید کے انوار دل میں چمکیں تو کیونکر اور اخلاص سے سینے روشن ہوں تو کیسے؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسی صورت حال میں اب بھی شہنشاہ لاثانی قدس سرہ کا کوئی درویش مل جاتا ہے تو جی پکار اٹھتا ہے

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہٗ کے بعد سجادہ نشین ہوئے، آپ کے نبیرۂ مقدس، اعلیحضرت عظیم البرکت، قیوم دورانی حضور نقش لاثانی قدس سرہ۔ یہ فقیر آپ ہی کا ادنیٰ سا سگ بارگاہ ہے۔ جس نے سکولوں اور کالجوں میں سالہا سال خاک چھانی، اس کے باوجود کھلے دل سے اس کا اعتراف کرتا ہے کہ ایمان کی جو حلاوت، اللہ کی جو محبت، شہنشاہ کائنات حضور سید العلمین ﷺ کے عشق کی جو دولت، تلاوت قرآن پاک کی جو لذت اور اللہ والوں سے جو عقیدت حضور نقش لاثانی قدس سرہ کی سرکار سے ملی، اس کا شمہ بھی کہیں اور سے حاصل نہیں ہوا۔ آج بعض لوگ 'الحقیقہ' کے اداریے پڑھ کر حیرت و استعجاب میں ڈوب جاتے ہیں کہ ایک کمزور وکمپرس شخص اس جرات کا اظہار کیونکر کرتا

ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس میں اس بے کس و ہیچ میرز کا کوئی کمال نہیں، یہ فیضان ہے اسی درویش خدا مست حضور نقش لاثانی کی نظر رحمت کا، جس نے ایک عرصہ تک اپنی خدمت میں رکھ کر معیت و تربیت کا شرف بخشا اور زمانے کی چال ڈھال سے بال بال بچایا۔

اب میری 'آپ بیتی' سنیئے، اس میں ہرگز شک نہیں کہ یہ فقیر طبعاً از حد ڈرپوک ہے مگر قربان اس شہنشاہ ولایت نے جس پر ایک موقع پر فرمایا

'آسی' دنیا میں ایک دفعہ ہی آنا ہے، اس لئے مخلوق سے کہیں ڈر کے نہ رہنا۔

میں نے عرض کیا، حضور پھر یہ خوف غیر اللہ دل سے ہی نکال دیں، دل یہ کہتا ہے اس سگ بارگاہ کی درخواست کسی حد تک ضرور منظور ہوگئی اور سخی نے اس نعمت سے بھی کچھ نہ کچھ ضرور نوازا

ہاں ہاں خیال تو فرمایئے آج کس کو مجھ سے شکایت نہیں، بلکہ بالکل وہی حال ہے،

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند! (اقبال)

مگر اس کا سبب؟

نقش لاثانی اپنے آسی کو
کیا خبر کیا نشہ پلا بیٹھے

توحید کے چند تقاضے

(۱) سب سے زیادہ محبت: اللہ پر ایمان کا یعنی توحید کا اولین تقاضا یہی ہے کہ سب سے زیادہ محبت اسی کی ذات وحدہٗ لا شریک لہ سے ہے قرآن پاک میں ہے۔

سرہٗ النورانی کی صحبت کیمیا اثر بھی قلب ونظر میں توحید وایمان کے جلوے اور علم وعمل کے انوار بھرنے میں لاثانی تھی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے بعض ایسے حضرات کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے جو بظاہر بہت کم پڑھے تھے یا بالکل اَن پڑھ تھے مگر شیخ لاثانی کی صحبت وتربیت نے انھیں کہیں کا کہیں پہنچا دیا تھا ایک میں ہی نہیں، بعض جید علماء بھی اِن اَن پڑھ بوڑھوں کی باتیں سن کر انگشت بدنداں رہ جاتے۔ آج سکول وکالج کی فضا ہی شکوک وشبہات کے دھوئیں سے تاریک نہیں، بلکہ مکتب ومدرسہ کو بھی بعض لوگوں نے سکون واطمینان کے فیضان سے محروم کردیا ہے۔ ایسے میں توحید کے انوار دل میں چمکیں تو کیونکر اور اخلاص سے سینے روشن ہوں تو کیسے؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسی صورت حال میں اب بھی شہنشاہ لاثانی قدس سرہ کا کوئی درویش مل جاتا ہے تو جی پکار اٹھتا ہے

بہت جی خوش ہوا حالیؔ سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہٗ کے بعد سجادہ نشین ہوئے، آپ کے نبیرۂ مقدس، اعلیحضرت عظیم البرکت، قیوم دورانی حضور نقش لاثانی قدس سرہ۔ یہ فقیر آپ ہی کا ادنیٰ سا سگ بارگاہ ہے جس نے سکولوں اور کالجوں میں سالہا سال خاک چھانی، اس کے باوجود کھلے دل سے اس کا اعتراف کرتا ہے کہ ایمان کی جو حلاوت، اللہ کی جو محبت، شہنشاہ کائنات حضور سید العلمین ﷺ کے عشق کی جو دولت، تلاوت قرآن پاک کی جو لذت اور اللہ والوں سے جو عقیدت حضور نقش لاثانی قدس سرہ کی سرکار سے ملی، اس کا شمہ بھی کہیں اور سے حاصل نہیں ہوا۔ آج بعض لوگ 'الحقیقہ' کے اداریئے پڑھ کر حیرت و استعجاب میں ڈوب جاتے ہیں کہ ایک کمزور وکمپرس شخص اس جرات کا اظہار کیونکر کرتا

ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس میں اس بے کس و ہیچ میرز کا کوئی کمال نہیں، یہ فیضان ہے اسی درویش خدا مست حضور نقش لا ثانی کی نظر رحمت کا، جس نے ایک عرصہ تک اپنی خدمت میں رکھ کر معیت و تربیت کا شرف بخشا اور زمانے کی چال ڈھال سے بال بال بچایا۔

اب میری 'آپ بیتی' سنئے، اس میں ہر گز شک نہیں کہ یہ فقیر طبعاً از حد ڈرپوک ہے مگر قربان اس شہنشاہ ولایت نے جس پر ایک موقع پر فرمایا

'آسی' دنیا میں ایک دفعہ ہی آنا ہے، اس لئے مخلوق سے کہیں ڈر کے نہ رہنا۔

میں نے عرض کیا، حضور پھر یہ خوف غیر اللہ دل سے ہی نکال دیں، دل یہ کہتا ہے اس سگ بارگاہ کی درخواست کسی حد تک ضرور منظور ہو گئی اور سخی نے اس نعمت سے بھی کچھ نہ کچھ ضرور نوازا

ہاں ہاں خیال تو فرمایئے آج کس کو مجھ سے شکایت نہیں، بلکہ بالکل وہی حال ہے،

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند! (اقبال)

مگر اس کا سبب؟

نقش لا ثانی اپنے آسی کو
کیا خبر کیا نشہ پلا بیٹھے

توحید کے چند تقاضے

(۱) سب سے زیادہ محبت: اللہ پر ایمان کا یعنی توحید کا اولین تقاضا یہی ہے کہ سب سے زیادہ محبت اسی کی ذات وحدہ لا شریک لہ سے ہے قرآن پاک میں ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط (البقرہ:۱۶۵)

ترجمہ: اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں

(۴) اللہ کے لئے محبت: اس کے بعد جس سے بھی محبت ہو، اسی کے لئے ہو۔ دشمنی بھی کسی نفسانی غرض سے نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے لئے ہو۔ حدیث پاک میں اسے افضل اور محبوب ترین عمل فرمایا گیا ہے۔

ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں

اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَ الْبُغْضُ فِی اللّٰہِ (احمد، ابوداؤد)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ کو سب سے پسندیہ عمل ہے کہ اللہ کے لئے ہی محبت کی جائے اور اللہ ہی کے لئے عداوت رکھی جائے۔

ظاہر ہے اللہ کیلئے محبت کے سب سے زیادہ مستحق اس کے حبیب مکرم رسول اعظم ﷺ ہی ہو سکتے ہیں اور ان کے غلام نیز اللہ کے لئے بغض کا سب سے زیادہ اہل شیطان ہے اور اس کا ساتھی۔ جہاں تک حضور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی محبت کا تعلق ہے، یہ خود اللہ کی محبت ہے بالکل اسی طرح جس طرح حضور ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، اسی لئے اسے ایمان کی علامت بلکہ عین ایمان بلکہ اصل ایمان سمجھا گیا ہے۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعوی کرے اور حضور پرنور ﷺ کی محبت سے محروم ہو تو بالیقین وہ خدا کی محبت سے بھی خالی ہے اور دائرہ اسلام وایمان سے خارج ہے۔ حضور پرنور ﷺ کے اس فرمان ذیشان کو ہمیشہ پیش نظر رکھئے

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد بلکہ تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اس نکتے کو خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے، میں نے تقریباً عمر بھر کوشش کی ہے کہ اس ارشاد عالی کی اشاعت زیادہ سے زیادہ کی جائے اس لئے آپ میری تحریروں میں اس حدیث پاک کو بار بار دیکھ کر حیران بھی ہوں گے، وہ اس لئے کہ ہمارے انفرادی و اجتماعی مسائل و مصائب کا واحد اور خصوصی علاج یہی محبت رسول ﷺ ہے۔ اسلام کے دور اول سے اب تک سب اہل ایمان و اسلام کا یہی عقیدہ رہا ہے اور دور حاضر میں مجدد ملت اعلیحضرت بریلوی قدس سرہ ہی اس کے علمبردار ہیں، حکیم الامت حضرت اقبال کے پیغام کا مرکزی نقطہ بھی یہی ہے

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کر دے

طبع مسلم از محبت قاہر است
مسلم ار عاشق نباشد کافر است

بلکہ انسان وہی ہے جو حضور ﷺ کی محبت سے مالا مال ہے، اپنے بلکہ سب کے آقا و مولا ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں

تیری الفت کی اگر ہو نہ حرارت دل میں
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا !!

(مزید تفصیل اسی مضمون کے دوسرے حصے میں آئے گی۔ ان شاء اللہ)

مختصر یہ کہ توحید کا تقاضا تو یہ تھا کہ اللہ کے سب محبوبوں اور دوستوں سے محبت ہو کہ یہ سب سے افضل و پسندیدہ عمل اور ایمان کی تکمیل کی علامت ہے۔ اور ان سب میں سب سے زیادہ پیار اللہ کے سب سے پیارے رسول حضور سید عالم ﷺ سے ہو۔ مگر دور آخر میں اسلام دشمنوں کے اشارے پر بعض لوگوں نے ان کے ہاتھ پر ضمیر و ایمان کا سودا کر کے اس محبت و عقیدت کو جو عین ایمان تھی اور نماز روزے جیسے فرائض سے بھی افضل و احب تھی توحید کے منافی قرار دیا اور بعض تو یہاں تک شور مچانے لگے کہ محبت مقصود ہی نہیں (معاذ اللہ) ذرا سوچئے اسلامی نظام کے یہ مبلغ اور اسلامی تعلیمات کے یہ بے روح مجسمے اسلام سے اور خصوصاً توحید سے کتنے دور اور بے بہرہ ہیں۔

(۳) توکل علی اللہ: توحید یعنی اللہ پر ایمان لانے کا ایک اہم تقاضا محبت ہی نہیں، اس پر توکل علی اللہ بھی ہے چنانچہ

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ (یونس: ۸۴)

ترجمہ: اور موسیٰ نے کہا اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم اسلام رکھتے ہو۔

(۴) خوف خدا: توحید ظاہر ہے اللہ پر ایمان اور اس کے عرفان کا نام ہے، جوں

جوں توحید مضبوط ہوگی۔ اللہ پر ایمان بھی مضبوط ہوگا اور اس کا عرفان بھی زیادہ ہوگا۔ اور جوں جوں یہ عرفان زیادہ ہوگا اللہ کا خوف زیادہ ہوگا اور جوں جوں یہ خوف زیادہ ہوگا انسان کا فکر و عمل نکھرتا جائے گا۔ واضح رہے فکر سے مراد ہے عقیدہ اور عمل سے مراد ہے عمل صالح یہ توحید ہی ہے جو انسان کے دل و دماغ کو روشن کرتی ہے اسے خوف خدا سے آراستہ کردیتی ہے۔ اور پھر یہی خوف خدا ہے جس سے انسان اتنا ارفع و اعلیٰ ہو جاتا ہے کہ فرشتے بھی اس کی گرد راہ کو نہیں پہنچ پاتے۔ اسی خوف خدا کو حدیث پاک میں بہترین دانائی فرمایا گیا ہے، چنانچہ ارشاد عالی ہے

رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ

ترجمہ: بہترین دانائی اللہ کا خوف ہے۔

﴿خوف خدا کے تقاضے اور فائدے﴾

(۱) رسول خدا کا ادب: یہی خوف خدا ہے جو اللہ جل جلالہ کے رسول ﷺ اور دوسرے محبوبان خدا کی بے ادبی سے بچاتا ہے، چنانچہ قرآن پاک فرماتا ہے

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (التوبہ۔۶۱)

ترجمہ: اور جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں، ان کے لئے دردناک عذاب ہے

(۲) اہل بیت کا ادب: اسی 'خوف خدا' کے حوالے سے 'اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے حقوق یاد دلائے گئے ہیں (یعنی جس میں اللہ کا خوف ہے وہ اہل بیت کا باغی نہیں ہو سکتا)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا!

اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِی اَھْلِ بَیْتِی اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِی اَھْلِ بَیْتِی (مسلم)

یعنی میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔

میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔(یعنی اللہ سے ڈرنا اور اہل بیت کے حقوق کا خیال رکھنا۔

(۳) صحابہ کرام کا ادب: خوف خدا کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ رسول پاک کے اصحاب کی تعظیم کرے اور ان کی بے ادبی سے بچے چنانچہ ارشاد ہے

اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِی اَصْحَابِی ، اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِی اَصْحَابِی (ترمذی)

ترجمہ: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا۔

(۴) اولیاء اللہ کی عداوت سے بچنا: حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ رب فرماتا ہے

مَنْ عَادٰی لِی وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ (حدیث قدسی)

ترجمہ: جس شخص نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی تو میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔

(۵) صالحین کا ساتھ: قرآن پاک فرماتا ہے

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○ (التوبہ:۱۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ

(۶) وسیلہ پکڑنا: قرآن پاک فرماتا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (المائدہ:۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

(۷) شعائر اللہ کی تعظیم: قرآن پاک فرماتا ہے

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ

ترجمہ: بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرتے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری ہے

یقیناً تقویٰ (اور خوف خدا) ایک عظیم دولت ہے۔ مختصراً یوں سمجھ لیجئے توحید کا ایک اہم تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اور اِس خوف کے یہ اہم تقاضے ہیں اللہ کے محبوب اعظم واکرم ﷺ کا ادب اور ان کے نائبوں اور وارثوں کی تعظیم بلکہ اللہ سب نشانیوں کا احترام۔ اسی ادب واحترام کو یار لوگوں نے شرک قرار دیا، کیوں، اس لئے کہ انھوں نے قرآن پاک سے روشنی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے خیالات کو اس پاک کتاب پر ٹھونسنے کی کوشش کی۔ کتنا تضاد ہے ان میں اور قرآن پاک کی تعلیم میں۔ یہ وسیلہ پکڑنے کو شرک قرار دیتے ہیں اور قرآن پاک اسے توحید کا تقاضا فرماتا ہے۔ خیر جو نیکی بھی ہے، اکثر و بیشتر کتاب وسنت میں اسے خوف خدا کے حوالے سے پیش کیا ہے مثلاً مہمان کی عزت وتکریم کے لئے فرمایا۔

مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ ...(متفق علیہ)

ترجمہ: جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے
چاہئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے

یہاں بھی خوف خدا ہے جو ہر عمر رسیدہ مومن کی تکریم کا پیغام دیتا ہے

اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰہِ اِکْرَامُ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ (ابوداؤد بیہقی)

ترجمہ: بیشک اللہ کی توقیر کا حصہ ہے کہ بوڑھے مسلمان کی عزت کی جائے۔

اسی خوف خدا سے یتیموں بیواؤں اور بیکسوں کی خدمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہی ہے جو ان کے حقوق لوٹنے سے روکتا ہے

اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمَلَۃِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالسَّاعِیْ فِیْ
سَبِیْلِ اللّٰہِ ـــــ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: بیواؤں اور مسکینوں کی خبر گیری کرنے والا اللہ کی راہ میں
جہاد کرنے والے کی طرح ہے

یہاں حضور پرنور ﷺ نے مسکین کی تعریف میں یہ بھی فرمایا

اِنَّمَا الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ یَتَعَفَّفُ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: مسکین وہی ہے جو (غربت کے باوجود) سوال کرنے سے پرہیز کرے

یتیم کے بارے میں فرمایا

اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ فِی الْجَنَّۃِ ھٰکَذَا وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَۃِ
وَالْوُسْطٰی وَفَرَّجَ بَیْنَھُمَا (بخاری)

ترجمہ: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں

گے اور اپنی درمیانی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا اور دونوں کے درمیان فاصلہ رکھا۔

بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے 'عدل' کی تاکید فرمائی تو تقویٰ کے حوالے سے، چنانچہ فرمایا

اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط (المائدہ۔۸)

ترجمہ: انصاف کرو وہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو

یہی خوف خدا ہے جو حاکموں کو رعایا کا خادم بناتا ہے اور انھیں رات بھر عوام کا پہرہ دینے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ہاں ہاں یہی خوف ہے جو انھیں ظلم و ستم سے روکتا ہے اور عجز و انکسار سے معمور کر دیتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں

اِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الْحُطَمَةُ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: بیشک سب سے برا حاکم وہ ہے جو سخت اور بے رحم ہے

حضور ﷺ نے دعا فرمائی

اَللّٰهُمَّ مَنْ وَّلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِيْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وَّلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِيْ شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهٖ (مسلم)

اے اللہ جو شخص میری امت کے امور کا والی بنے اور ان پر سختی کرے تو تو بھی اس پر سختی فرما اور جو میری امت کے امور کا والی بنے اور ان کے ساتھ نرمی برتے تو تو بھی ان کے ساتھ نرمی فرما۔

یہی خوف خدا ہے جو پیروں کو پیر اور مولوی کو 'مولوی' بناتا ہے (اور اگر خدا نخواستہ ایسا نہ ہو تو پیر 'بہروپیا' اور مولوی 'مالوی' ہو جائے گا) چنانچہ قرآن پاک میں ہے اولیاء اللہ کی تعریف میں فرمایا

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ؕ (یونس-۶۳)

ترجمہ: وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں۔

اور علماء کی شان یوں بتائی

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ (فاطر-۲۸)

ترجمہ: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

یہی خوف خدا ہے جس کی فضیلت کی وضاحت زبان نبوت نے یوں فرمائی۔

اِنِّیۡ لَاَعۡلَمُ اٰیَۃً لَّوۡ اَخَذَ النَّاسُ بِھَا لَکَفَتۡھُمۡ وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا وَّ یَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ (احمد، ابن ماجہ، دارمی)

ترجمہ: میں اس آیت کو بخوبی جانتا ہوں جس پر لوگ عمل کریں تو ان کیلئے وہی کافی ہو اور وہ ہے و من یتق ...... لا یحتسب (اور جو اللہ سے ڈرے کہ اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے گمان بھی نہ ہو)

یہی خوف خدا ہے جس سے مومن کو ایک خصوصی 'فراست' عطا ہوتی ہے اور گناہ معاف ہوتے

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ فُرۡقَانًا وَّ یُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ○

(الانفال:۲۹)

ترجمہ: اے ایمان والو اگر اللہ سے ڈرو گے تو تمہیں وہ دے گا جس سے حق کا باطل سے جدا کرو اور تمہاری برائیاں اتار دے گا اور

تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

بلکہ سو باتوں کی ایک بات یہی خوف خدا ہے جس سے قرآن پاک کی سمجھ آتی ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ (البقرۃ ۲:۲)

ترجمہ: ہدایت ہے ڈر والوں کو

غازی اور توحید۔غرض یہی خوف خدا ہے جو انسان کو دنیا کے ہر خوف سے بے نیاز کر کے اسے کامل انسان، یعنی اشرف المخلوقات، اللہ کا نائب، اس کی خدائی میں اس کا قانون نافذ کرنے والا بنا دیتا ہے، جو اس کی قوت و نظر میں اس کی وسعت پیدا کر دیتا ہے کہ عظیم مجاہد طارق بن زیاد رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے فکر و نظر کا یوں نقشہ کھینچتا ہے

یہی خوف خدا جب عمل میں جلوہ گر ہوتا ہے تو کامیابی کا ضامن بن جاتا ہے

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ و يتقه فاولئک هم الفائزون ۝

ترجمہ: اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا اور اللہ سے ڈرے اور پرہیز گاری کرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

نہ مالِ غنیمت ، نہ کشور کشائی

اور خود یہ طارق بن زیاد کو توحید نے کیا بنا دیا تھا اس سلسلے میں وہی واقعہ پیش نظر رکھئے

طارق چو بر کنارہ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کار تو بہ نگاہ خرد خطاست
دوریم از سواد وطن باز چوں رسیم!
ترک سبب ز روئے شریعت کجا رواست
خندید دست خویش بہ شمشیر برد و گفت
ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

(یعنی طارق بن زیاد رضی اللہ عنہ نے اندلس کے کنارے پر پہنچ کر اپنی کشتیاں جلا دیں تو فوج نے کہا عقل کی رو سے یہ سخت غلطی ہے کیونکہ وطن سے بہت دور ہیں، واپس کیسے جائیں گے نیز شریعت کی رو سے بھی سبب کا ترک کرنا جائز نہیں۔ طارق بن زیاد ہنس پڑا یہ تو تیں سن کر ہنسے اور تلوار پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، ہم وطن سے کب دور ہیں کیونکہ ہر ملک ہمارا ملک ہے کیونکہ ہمارے خدا کا ملک ہے۔

صوفیہ کی توحید: حق یہ ہے کہ اہل بیت اطہار یا صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے بعد توحید کی سب سے زیادہ جلوہ گری ان صوفیہ پاک باطن کی سیرت و کردار میں نظر آتی ہے جن کے رگ و ریشہ میں اللہ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی محبت سمائی ہوئی تھی اور جو اپنے اپنے دور اور اپنے اپنے ماحول میں کتاب و سنت کی عملی تفسیر بن گئے تھے، جن کے تذکار آج بھی توحید آموز اور حیات افروز ہیں۔ حدیث

پاک میں ایسے ہی پاکبازوں کے بارے میں فرمایا گیا اذرُؤا ذکر اللہ (جب انھیں دیکھا جاتا ہے تو اللہ یاد آجاتا ہے)

یہی وہ اللہ والے ہیں جن کی انقلابی توحید نے لفظوں کے معانی ہی بدل کے رکھ دیئے اور ان میں ایسی وسعت پیدا فرمادی کہ عقل دنگ ہے۔ صرف ایک مثال لیجئے۔ حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے چار علوم اختیار کر لئے تو باقی تمام علوم سے مجھے چھٹکارا ملا۔ جب آپ سے پوچھا گیا، وہ چار علم کیا ہیں تو فرمایا

۱۔ ایک یہ کہ رزق مقسوم ہے یعنی جو کچھ قسمت میں لکھا ہے ضرور مل کر رہے گا اور کوشش سے زیادہ یا کم نہیں ہوگا۔ اس سے مجھے سکون نصیب ہوا

۲۔ دوسرا علم یہ ہے کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کا مجھ پر حق ہے جو میرے سوا کوئی اور کوئی شخص ادا نہیں کر سکتا۔ اس لئے میں حق تعالیٰ کی رضا جوئی میں مشغول ہو گیا۔

۳۔ تیسرا علم یہ ہے کہ موت میری تلاش میں ہے۔ جس سے بھاگا نہیں جا سکتا۔

۴۔ چوتھا علم یہ ہے کہ خدا میرے حال کا دانا و بینا ہے، اس لئے ہر کام میں اس سے شرم کی اور نا مناسب کاموں سے اجتناب کیا کیونکہ جب بندے کو معلوم ہو جائے کہ حق تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے تو اسے برے کاموں سے شرم آنی چاہیے۔

ہاں ہاں یہ **توحید** ہے جو انسان کو اللہ کا ایسا بندہ بنا دیتی ہے۔ جو مہر و ماہ کا شکار کرتا ہے، دشت و جبل جس کو سلامی دیتے ہیں، کوہ و کمر جس کا حکم مانتے ہیں، جن و ملک جس کے نوکر چاکر بن جاتے ہیں، اسی توحید سے نار نمرود گلزار بنتی ہے، اسی سے لوہا

موم ہوتا ہے اور کبھی مردوں کو زندہ کرنے کا فارمولا ہے۔ اسی توحید کے زور سے مسلمانوں نے مشرق و مغرب سے اوہام کے اندھیرے چھانٹے بقول اقبال

زندہ قوت بھی تو حید تھی دنیا میں کبھی
اب کیا ہے فقط اک مسئلہ علم کلام

مگر یاد رہے یہ قوت توحید عشق رسول ﷺ کے ساتھ لازم و ملزوم ہے، اگر کوئی شخص عشق رسول ﷺ ہی سے محروم ہے تو لاکھ دعووں کے باوجود وہ 'توحید' کے نور سے خالی ہے بلکہ (ایک اعتبار سے شرک میں گرفتار ہے، کیونکہ اللہ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشق کو فرض کر رہا ہے اور یہ بد بخت شیطانی اکڑفوں سے خود بھی اس کا مخالف ہے اور دوسروں کو بھی اس سے محروم کرنا چاہتا ہے)

اے اللہ اپنے حبیب کریم سیدنا رحمۃ للعلمین ﷺ کے طفیل حاکموں، پیروں، مولویوں سمیت ساری قوم کو توحید اور عشق رسول سے مالا مال کر دے، ہم سب کے دل سے شیطان کے لخت جگر بش کا، یورپین، یونین کا اور دوسرے فرعونوں کا خوف نکال دے اور میرے اقبال کی یہ آرزو پوری کر دے۔

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو
ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو

بجاہ النبی الکریم العظیم الامین سیدنا رحمۃ للعلمین ﷺ وآلہ واصحابہ واولیاء امتہ خصوصاً سیدنا غوث الوری (البغدادی)

وسیدنا المجدد السرھندی و شاہ لا ثانی ونقش لا ثانی و نقشہ نقش لاثانی)

(رضی اللہ عنہم و رحمۃ اللہ علیہم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

اسلام کا دوسرا عقیدہ

رسالت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمہ طیبہ جسے پڑھ کر کافر و مشرک مسلمان ہو جاتا ہے، اس کے مبارک الفاظ سے آنکھیں ٹھنڈی کیجئے

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ (یا خدا) نہیں، محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔

اس کا پہلا حصہ جس میں اللہ کے موجود اور واحد و یکتا ہونے کا ذکر ہے یعنی لا الہ الا اللہ توحید کہلاتا ہے اور دوسرا حصہ جس میں حضور پرنور ﷺ کے رسول ہونے کا بیان ہے، رسالت کہلاتا ہے۔ توحید اسلام کا پہلا عقیدہ ہے جس کی کچھ وضاحت آپ کتابچہ 'توحید' میں دیکھ چکے ہوں گے۔ اب اسلام کے دوسرے عقیدے یعنی رسالت کے بارے میں کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

رسالت کی ضرورت واہمیت

اگر آپ کلمہ شریف کی اس اہمیت کو سمجھتے ہیں کہ کافر اسے صدق دل سے پڑھ لے تو مسلمان ہو جاتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان ہونے کے لئے اللہ کی توحید اور اس کے حبیب مکرم حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اگر رسالت پر ایمان لانا ضروری نہ ہوتا تو اسے کلمہ طیبہ میں شامل نہ کیا جاتا۔ چنانچہ کوئی شخص ساری عمر بھی لا الہ الا اللہ پڑھتا رہے مگر محمد رسول اللہ نہ کہے تو وہ دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوگا۔ ہاں ہاں کئی اہل مذاہب اللہ کی توحید کے تو قائل ہیں مگر اس سے وہ مسلمان نہیں ہو گئے اور انہیں مسلمان نہیں کہا جاتا، مثلاً سکھ خدا کو ایک ماننے کے باوجود سکھ ہی رہتے ہیں، یونہی کہتے ہیں کہ عیسائیوں میں بھی ایک فرقہ موحدین (Unitarians) کا ہے مگر وہ پھر بھی عیسائی ہیں، یہودیوں میں بلکہ ہندوؤں میں بھی ایک خدا کو ماننے والے موجود ہیں، یونہی کئی سائنسدان اور کئی فلسفی، سائنس اور فلسفے کی روشنی میں توحید کے قائل ہو جاتے ہیں مگر عقیدۂ رسالت پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کافر کے کافر ہی رہتے ہیں۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کافر اور مسلمان میں فرق عقیدۂ توحید سے نہیں، عقیدۂ رسالت سے ہوتا ہے۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے ایک طویل حدیث کے آخر میں ارشاد فرمایا

فَمَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ (بخاری شریف)

ترجمہ: جس نے محمد مصطفےٰ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی

اطاعت کی اور جس نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نا
فرمانی کی اور محمد (مصطفیٰ ﷺ) انسانوں میں وجہ امتیاز ہیں۔

خلاصہ ہے یہی سب داستانِ کفر و ایماں کا
کرے انکار جو، کافر! انہیں جو مان لے، مومن

مختصر یہ کہ اگر عقیدۂ رسالت کا دامن نہیں تھاما تو عقیدۂ توحید بھی قبول نہیں ہوگا۔ بلکہ حقیقت یہ بھی ہے کہ سائنس، فلسفہ یا کسی اور ذریعے سے جو 'توحید' میسر آتی ہے، وہ ناقص اور سطحی سی ہوتی ہے۔ اللہ کو کیسے ماننا چاہئے، اس کا کامل اور شافی جواب نہ سائنس و فلسفہ کے پاس ہے اور نہ کسی دوسری علمی تحقیقات کے (پاس)، یہی وجہ ہے کہ افلاطون جیسے فلسفی بھی بظاہر توحید کے قائل ہونے کے باوجود اس کی تفصیلات اور مقتضیات سے آگاہ نہیں تھے اور رسالت کا دامن نہ تھامنے کی وجہ سے اصل توحید سے ناواقف اور کفر میں ڈوبے رہے۔ حق یہ ہے کہ اگر 'توحید' عقل و علم ہی سے سمجھ میں آنے والی ہوتی تو سلسلۂ نبوت و رسالت کی ضرورت ہی کیا تھی۔

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں پنڈت، کروڑوں دانا، ہزاروں سیانے
بغور دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

اسی نکتے کو عارف شیراز علیہ الرحمہ نے یوں بیان کیا ہے

کس ندانست کہ منزل گہ محبوب کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

(یعنی کسی عاقل و عالم کو یار کی منزل کا علم نہیں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ گھنٹی کی آواز سنائی دیتی ہے جس سے تھوڑا بہت اَتا پَتا لگ جاتا ہے)

اعلیحضرت فرماتے ہیں

اے رضا فیض ہے احمد پاک کا ﷺ

ورنہ ہم کیا سمجھتے خدا کون ہے

بالیقین توحید کی حقیقت و ماہیت کو سمجھانے کے لئے اللہ نے اپنے رسول اور نبی (علیہم السلام) بھیجے جن کی تعلیمات مسخ یا انسانی نظر سے اوجھل ہو گئیں تو سب سے آخر میں اللہ کے سب سے بڑے رسول اور نبی حضور پر نور حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبےٰ ﷺ تشریف لے آئے، جنھوں نے اس کی وضاحت ایسے انداز میں فرمائی کہ کفر و شرک کے اندھیرے چھٹ گئے اور عقل و خرد کے سارے شکوک و شبہات ختم ہو گئے۔ حضرت حکیم الامت اقبال علیہ الرحمہ نے خوب عرض کیا

تری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے

عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

(علیک الصلوٰۃ والسلام یا رحمۃ للعلمین)

بلکہ کلمہ طیبہ پر ہی غور کر لیں تو صاف کھل جاتا ہے، لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ (یعنی توحید) دعویٰ ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰـهِ اس کی دلیل ہے۔ یا بالفاظ دیگر توحید یا عرفان خداوندی منزل مقصود ہے اور اس تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے دامن رسالت کو مضبوطی سے تھامنا۔ اور چونکہ رسالت کے وسیلے کے بغیر حقیقی توحید کا قیمتی موتی ہاتھ آ ہی نہیں سکتا، اس لئے گویا سمجھایا جا رہا ہے کہ توحید ماننے والو! تم لاکھ دعویٰ توحید کرو جب تک اللہ کے پیارے رسول محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دروازے سے توحید کی بھیک نہیں مانگو گے، نہ تمھیں توحید حاصل ہوگی اور نہ ہی وہ قبول ہوگی۔

﴿حضور ﷺ معرفتِ حق کی دلیل﴾

یہی مضمون ہے جسے خود اللہ جلّ مجدہٗ نے قرآن پاک میں یوں بیان فرمایا

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًاؕ ○ (الفتح:۲۸)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ ہے کافی گواہ

یعنی اللہ کی معرفت حاصل کرنا چاہو اور اس کی توحید یا شان و عظمت کی دلیل کی ضرورت ہو تو اس کے رسول کی طرف دیکھو، اس کے کمالات و تصرفات پر غور کرو، اس کے اخلاق و کردار کی یکتائی کو پیش نظر رکھو، اس کے حسن کی تجلیات کا سماں دیکھو، اس کی رفتار و گفتار کی دلکشی کا تصور کرو، اس کی ہر ہر ادا، اس کا ہر ہر انداز، اس کا ہر ہر قول و فعل معرفتِ حق کی چمکتی ہوئی دلیل ہے

؎ دیکھنے والے کہا کرتے ہیں اللہ اللہ
یاد آتا ہے خدا دیکھ کے صورت تیری

؎ بلکہ اس نے حق دیکھ لیا جس نے ادھر دیکھ لیا
کہہ رہی ہے یہ چمکتی ہوئی طلعت تیری

یوں تو ہر نبی اور ہر رسول (علیہ السلام) اپنے اپنے دور میں اللہ کے عرفان کی دلیل تھا اور مختلف (جھوٹے) خداؤں کے ہجوم میں سچے رب کی پہچان اسی طرح کی جاتی تھی کہ اللہ وہ ہے جس کی ربوبیت و یکتائی کا اعلان اس کا نبی کر رہا ہے چنانچہ ایمان کا

اظہار کرنے والے اسی حوالے سے اظہار کرتے تھے۔ اس کی مثال فرعون کے جادو گروں کا وہ جملہ ہے جو انھوں نے ایمان لاتے وقت اپنے ایمان کی سند اور دلیل کے طور پر بولا تھا، قرآن پاک فرماتا ہے

فَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ ھٰرُوْنَ وَمُوْسٰی ○ (طٰہٰ۔۷۰)

ترجمہ: تو سب جادوگر سجدے میں گرا لئے گئے، بولے ہم اس پر ایمان لائے جو ہارون وموسیٰ کا رب ہے۔

گویا جب نبی کے حوالے سے اللہ کو مانا جائے تو اس کے ماننے میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ یقیناً اس حد تک تمام انبیاء علیہم السلام معرفت ربانی کی دلیل بنتے رہے مگر اس کی سب سے بڑی دلیل وہی ہے جو اس کا سب سے بڑا رسول ہے اور اس اعتبار سے اس کی سب سے آخری دلیل بھی وہی ہے جو اس کا سب سے آخری نبی ہے (ﷺ)۔ چونکہ اس کے بعد کسی نبی کو نبی کی حیثیت سے تشریف نہیں لانا تھا، اس لئے یہ دلیل ہر دور کے لئے، ہر قوم کے لئے، ہر مخلوق کے لئے دائمی وابدی دلیل ہے۔ گویا آج سے چودہ صدیاں قبل جب قرآن نازل ہو رہا تھا، پوچھنے والا پوچھتا تھا کہ اللہ کون ہے؟ قرآن جواب دے رہا تھا

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ

ترجمہ: وہ وہی ہے جس نے اپنا (یہ) رسول بھیجا

اور اب صدیوں بعد کوئی پوچھتا ہے کہ سارے عالم کا خالق ومالک کون ہے تو ابدی کتاب میں اب بھی اس کا یہی جواب ہے

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

ترجمہ: وہ وہی ہے جس نے اپنا (یہ) رسول بھیجا

کوئی شاعر، کوئی ادیب، کوئی فلسفی، کوئی منطقی، کوئی سائنسدان، کوئی ماہر نفسیات، کوئی سیاستدان، کوئی آرمی چیف، کوئی صدر، کوئی وزیر، کوئی سادھو، کوئی جوگی، کوئی پنڈت، کوئی پادری، کوئی مجوسی، کوئی ملحد، کوئی متشکک، یہی سوال کرتا ہے تو ان سب کا ایک ہی جواب ہے

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

ترجمہ: وہ وہی ہے جس نے اپنا (یہ جامع الصفات) رسول بھیجا

ہر پوچھنے والا، اپنے اپنے معیار کو سامنے رکھے، اپنے اپنے علم و تحقیق کے میدان کو یا اپنی اپنی زندگی کے شعبے کو پیش نظر رکھ کر اس جواب پر غور کرے، پکار اٹھے گا واقعی

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

ترجمہ: (اللہ) وہی ہے جس نے اپنا (ایسا بے مثل و باکمال) رسول بھیجا

صرف کی رُو سے ھُـو (وہ) اسم ضمیر ہے اس میں بھی ابہام پایا جاتا ہے اور الـذی (وہ جو) اسم موصول ہے اور یہ بھی ابہام سے خالی نہیں، ضمیر کا ابہام مرجع سے دور ہوتا ہے اور اسم موصول کا صلہ سے، یہاں یہ دونوں قسم کے ابہام دور ہوتے ہیں ارسـل رسـولـه (اس نے اپنا رسول بھیجا) سے۔ ہاں اس ذات پاک کا کام ہی ابہام دور کرنا ہے، نور جو ہوا، اس کے سامنے شکوک و شبہات اور ابہام کی ظلمت کیوں کر ٹھہر سکتی ہے۔

دلیل ناطق

ہر صنعت اپنے صانع کا پتا دیتی ہے یونہی بلاشبہ ہر مخلوق اپنے خالق واحد و یکتا کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔ اس لیے کائنات کا ذرہ ذرہ، سمندر کا قطرہ قطرہ اور درختوں کا پتا پتا اپنے پیدا کرنے والے اللہ کی دلیل ہے۔

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہ لا شریک لہ گوید!

یعنی گھاس کا جو تنکا بھی زمین سے پھوٹتا ہے، اللہ کی توحید کی گواہی دیتا ہے

اور عربی شاعر فرماتا ہے

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَّہٗ اٰیَۃٌ
تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

ترجمہ: اور ہر شے میں ایک نشانی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ واحد و لاشریک ہے

قرآن پاک بھی اس کی تصدیق فرماتا ہے

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

یَّعۡقِلُوۡنَ ○ (البقرہ۔۱۶۴)

ترجمہ: بے شک آسمان اور زمین کی پیدائش اور رات دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے زندہ کیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان اور زمین کے درمیان حکم کا باندھا ہے۔ ان سب میں عقلمندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں

دیکھئے یہ ساری چیزیں اللہ جل مجدہ کی توحید کے دلائل ہیں، مگر (غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی علیہ الرحمہ کی تفسیر کے مطابق) خاموش دلائل ہیں۔ چنانچہ جب سورج، چاند، تاروں اور دوسری چیزوں کو خدا مانا گیا، انھوں نے اپنی خدائی کا انکار نہیں کیا اور لوگوں کو توحید کا سبق نہیں دیا بلکہ سورج چاند وغیرہ کے اندر سے یہ آواز آ بھی جاتی کہ میں خدا نہیں خدا تو وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا، تو کون اس آواز کو سورج وغیرہ کی آواز سمجھتا اور شرک سے باز آتا۔ لہٰذا اگرچہ ہر مخلوق اپنے خالق کے موجود و یکتا ہونے کی دلیل ہے مگر خاموش ہے۔ اس کائنات میں اللہ کی توحید کی ایک ہی ناطق دلیل ہے۔ ہاں ہاں یہ وہی دلیل ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا

هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

ترجمہ: وہ (اللہ) وہی ہے جس نے اپنا لاجواب رسول بھیجا۔

یہ وہ دلیلِ ناطق ہے جس نے اس انداز میں اپنے اللہ کی توحید کا اعلان کیا کہ خود ساختہ خداؤں کا سارا طلسم خاک میں مل گیا۔ شجر و حجر نے درود و سلام پڑھ کر، بتوں

نے اوندھے منہ گر کر، چاند نے آپ کے اشارے سے چر کر اور سورج نے لوٹ کر اس نبی آخر و افضل ﷺ کی اطاعت کر کے اس کے بھیجنے والے اللہ کی خالقیت اور واحد و یکتا ہونے کی گواہی دے دی۔ گویا یہ خاموش دلائل جب اللہ کی ناطق دلیل سے وابستہ ہوئے تو خود بھی ناطق دلائل بن گئے۔ اللہ اللہ، گویا یہ دلیل ناطق ﷺ ہی اللہ اکبر کی دلیل اکبر ہے اور خاموش دلائل کو بھی ناطق کرنے والی ہے۔

برہان حق: اسی مضمون کو ایک اور مقام پر یوں فرمایا گیا

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (النساء۔۱۷۴)

ترجمہ: اے لوگو! بیشک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمھاری طرف روشن نور اتارا۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ یَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا (النساء۔۱۷۵)

ترجمہ: تو وہ جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کی رسی مضبوط تھامی تو عنقریب انھیں اپنی رحمت اور اپنے فضل میں داخل کرے گا اور انھیں اپنی طرف سیدھی راہ دکھائے گا۔

پہلی آیت میں دنیا بھر کے انسانوں کو (خواہ وہ کسی بھی براعظم کے ہوں، کسی بھی رنگ کے ہوں، کسی بھی زبان کے بولنے والے ہوں اور کسی بھی شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے ہوں) مخاطب کر کے واضح کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات

پر دلالت کرنے والی سب سے بڑی شخصیت تمھارے پاس تشریف فرما ہو گئی ہے اور تمھاری ہدایت کے لئے روشن نور (یعنی اللہ کی آخری کتاب بھی) نازل ہو چکی ہے اب تمھارا کفر میں رہنا نری سرکشی، اللہ سے بغاوت، اور حق سے کھلا انحراف اور نا قابل برداشت و معافی جرم ہے۔ اپنے خالق و مالک و معبود کے عرفان اور عقیدۂ توحید کے سلسلے میں اب کسی کے ذہن میں بھی کوئی الجھاؤ نہیں رہنا چاہیے، اس پر حیف ہے جو اس 'برہان' سے رہنمائی اور اس نور مبین سے روشنی حاصل کرنے سے کنی کترائے اور بغیر کسی دلیل کے محض ہٹ دھرمی اور ضد و تعصب کی بنا پر باطل سے چمٹا رہے۔ ہاں ہاں، قبول حق کے سلسلے میں اب تمھارے پاس کوئی عذر نہیں رہا۔

دوسری آیت میں مزید وضاحت سے فرمادیا کہ جو اس 'نور مبین' کی روشنی میں اللہ پر ایمان لائے اور اللہ کی رسی کو تھامے رہے، تو وہ انھیں اپنی طرف کی ایک خصوصی رحمت میں داخل رکھے گا، ان پر فضل فرمائے گا اور انھیں اپنی طرف سیدھی راہ پر چلاتا رہے گا (کہ پھر بھٹکنے کا سوال ہی نہ رہے گا اور لحہ بہ لحہ ان پر عرفان ربانی کے مزید دروازے کھلتے رہیں گے) ہاں یہ اللہ کی رسی کیا ہے۔ دوسری آیت میں بھی تقریباً یہی مضمون ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص (آل عمران۔۱۰۳)

ترجمہ: اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا

حضرت امام بوصیری قدس سرہ فرماتے ہیں

دَعَا اِلَى اللّٰهِ فَالْمُسْتَمْسِكُوْنَ بِهٖ
مُسْتَمْسِكُوْنَ بِحَبْلٍ غَيْرِ مُنْفَصِمِ

ترجمہ: آپ نے اللہ کی طرف بلایا تو آپ کا دامن تھامنے والوں نے ایسی رسی کو تھاما جو ٹوٹ نہیں سکتی۔

اب آیئے پھر کلمہ مقدسہ کے حصہ رسالت پر غور کریں۔ حضور پر نور ﷺ کی رسالت یعنی رسول ہونے پر ایمان لانے کا اقرار و اعلان کرنا مقصود ہے تو سوچئے رسول اللہ کی شان و منزلت کیا ہے۔ اس کا معنی ہے اللہ کا بھیجا ہوا۔ ہم سب اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ایک شخص مقدس وہ ہے جو اللہ کا بھیجا ہوا ہے۔ کیا محض پیدا کیا ہوا اور بھیجا ہوا باہم برابر ہوں گے یا ایک ہی طرح کے ہوں گے۔ اگر ان میں باہم کوئی فرق نہیں تو کیا اللہ کے ہر پیدا کئے ہوئے کو اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) کہہ سکتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ کفر ہے بلکہ اس حد تک کفر ہے کہ جو اللہ کے عام پیدا کئے ہوئے کو اللہ کا بھیجا ہوا (یعنی رسول) کہہ دے یا مانے، اس کو کافر نہ کہنے والا خود کافر ہو جائے گا۔ جیسا کہ جو مرزا قادیانی اور مرزائیوں کو کافر نہ کہے خود کافر ہو جائے گا۔ کافر کا معنی ہے کفر یعنی انکار کرنے والا، اس نے کس بات کا انکار کیا؟ اس حقیقت کا کہ اللہ کا عام پیدا کیا ہوا انسان، اللہ کے بھیجے ہوئے انسان (یعنی رسول) کے برابر نہیں یا اس جیسا نہیں۔ ظاہر ہے جب یہ رسول عام انسان کی طرح نہیں اور اس کا انکار کفر ہے تو عام انسان کو رسول کے برابر سمجھنا یا کہنا کفر کیوں نہیں ہوگا۔

دوسرے لفظوں میں محمد رسول اللہ ماننے کا مطلب ہی یہ ہے کہ انھیں عام انسان کی طرح نہ سمجھا جائے۔ یہی حال حضور پر نور ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے مبعوث ہونے والے رسولوں کا تھا۔ ان پر ایمان لانے والے انھیں اپنی سطح کا انسان ہی سمجھتے تو ایمان لانے اور حلقہ بگوش ہونے کا مطلب ہی کیا رہ جاتا، چنانچہ قرآن پاک گواہ ہے، جن لوگوں نے بھی اللہ کے پاک رسولوں اور نبیوں کو اپنے جیسا سمجھا، ایمان سے

محروم رہے بلکہ اس نقطۂ نظر کی ابتدا بھی اسی خبیث سے ہوئی جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا بلکہ اس نے انکار بھی اسی بہانے کیا تھا۔ چنانچہ جب اس سے سجدہ کرنے سے انکار کی وجہ پوچھی تو

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ (الحجر:۳۳)

ترجمہ: بولا مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتی مٹی سے بنایا جو سیاہ بودار گارے سے تھی۔

اسی لئے حضرت مولائے روم نے نبیوں کے سردار علیہم السلام کو بشر کہنے والے سے فرمایا

شاہ را منکر تو اے نادان بطین
کیں نظر کر داست شیطانِ لعین
گر نہ فرزندِ بلیسی اے عنید!
پس ترا میراث آں سگ کے رسید

ترجمہ: حضور بادشاہ (کونین) ﷺ کو خاکی مت سمجھ، او ناداں، یہ تو شیطان لعین کا طرز نظر ہے۔ ہاں اے (خدا کے) دشمن بیٹا اگر تو شیطان کا بیٹا نہیں تو اس کتے (کے عقیدے) کا وارث کیسے بنا (کیونکہ بیٹا اپنے باپ کا وارث ہوتا ہے)

چنانچہ (فرزندانِ ابلیس یعنی) کفار نے بشر کہہ کر انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت کا انکار کیا۔ مثلاً نوح علیہ السلام نے ایمان و عبادت کی دعوت دی تو ان کی قوم کے کافر

سرداروں نے جواب دیا

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ

(المومنون۔۳۳،۳۴)

ترجمہ: یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی جو تم کھاتے ہو اس میں سے کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو، اس میں سے پیتا ہے اور اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کرو جب تو تم ضرور گھاٹے میں ہو۔

کہیں بولے

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ج (الانبیاء۔۳)

ترجمہ: یہ کون ہیں، ایک تمہیں جیسے آدمی تو ہیں

اب سورۃ التغابن کی دو آیتوں پر غور کیجئے (یہی گویا ایسے حوالوں کا خلاصہ ہے) جن میں انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر کافروں کا ردعمل بیان کیا گیا ہے

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ (۶۔۵)

ترجمہ: کیا تمہیں خبر نہ آئی جنھوں نے تم سے پہلے کفر کیا اور اپنے کام کا وبال چکھا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے یہ اس لئے کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لاتے تو بولے کیا بشر ہمیں

راہ بتائیں گے سو کافر ہوئے اور پھر گئے اور اللہ نے بے نیازی کو

کام فرمایا اور اللہ غنی وحمید ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اسی حقیقت کو یوں اجاگر کیا ہے

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ط (الانعام۔۱۲۴)

ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے، جہاں اپنی رسالت رکھے

ان الفاظ پر سرسری سا غور بھی کرلیا جائے تو مقام رسالت کا عام انسانوں سے بلند تر اور ممتاز تر ہونا بالکل واضح ہے۔ بلکہ جب یہ کلام رسولوں کو بھیجنے والے اللہ پاک کی طرف سے ہے تو امتیازات کی کیا حد ہوگی۔

یہی حال مقام نبوت کا ہے۔ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ مگر جس طرح رسول باقی انسانوں سے ماورا ہوتا ہے یونہی 'نبی' بھی دوسروں سے ازحد بلند و بالا ہوتا ہے۔ 'رسالت' یا 'نبوت' کی عظمت اسی سے ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ اکتسابی نہیں یعنی یوں نہیں کہ کوئی شخص محنت کرتے کرتے علم و ریاضت کے بلند مقام پر پہنچے اور نبی یا رسول بن جائے، یہ محض وہبی ہے یعنی جیسا کہ اوپر کی آیت میں رسالت کا ذکر آیا ہے۔ (بلکہ اس آیت میں رسالت کے ساتھ ساتھ نبوت بھی مراد ہو سکتی ہے)

نبوت کا تفصیلی مفہوم سمجھنے کے لئے آیئے غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی علیہ الرحمہ کی تحقیق انیق کی طرف، اس کا خلاصہ یہ ہے

لفظ 'نبی' کے معنی: نبی کے معنی (۱) مُخبِر یعنی خبر دینے والا (۲) مُخبَر یعنی خبر دیا ہوا (۳) طریق واضح (یعنی روشن راستہ) (۴) ایک جگہ سے دوسری جگہ تشریف لے

جانے والا (۵) ایک جگہ سے دوسری جگہ نکالا ہوا (۶) پوشیدہ اور ہلکی آواز سننے والا (۷) ظاہر (۸) رفعت اور بلندی والا۔

لفظ نبی کے منقولہ بالا آٹھ معنی لغوی ہیں اور عرف شرع میں نبی اس مقدس انسان کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ایسا مصطفیٰ، مخلص اور برگزیدہ ہو جسے اللہ تعالیٰ یہ فرمائے کہ میں نے تجھے فلاں قوم یا تمام لوگوں کی طرف اپنا مبلغ پیغامبر اور نبی بنایا ہے، یا میری طرف سے میرے بندوں کو میرے احکام پہنچا دے یا اس قسم کے اور الفاظ جو ان معنی کا فائدہ دیتے ہیں جیسے بَعَثْتُكَ (یعنی میں نے تجھے مبعوث کیا) نَبِّئْهُمْ (یعنی انہیں خبر دے) اللہ تعالیٰ اسے فرمائے اور نبوۃ عرف شرع میں اخبار عن اللہ (یعنی اللہ کی طرف سے خبر دینے) کو کہتے ہیں۔ بعض علما نے اطلاع علی الغیب (یعنی غیب سے خبردار ہونے) سے بھی نبوت کی تفسیر کی ہے جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفا شریف میں، علامہ قسطلانی نے مواہب میں ارقام فرمایا ہے۔

لفظ نبی کے یہ آٹھ لغوی معنی جو بیان کیے ہیں وہ سب عرفی نبی میں پائے جاتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے خبردار کیا جاتا ہے اس لیے مُخبَر ہے اور ارشادات خداوندی کی خبر اپنی امت کو دیتا ہے لہٰذا مُخبِر ہے اور اس کی ذات نجات اخروی کا روشن راستہ اور معرفت خداوندی کا وسیلہ ہے اس لیے وہ طریق واضح ہے۔ اللہ کا نبی دشمنوں کی انتہائی ایذا رسانی کے بعد بحکم ایزدی ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ جاتا ہے، یا کفار کی طرف سے شدید عداوت کی بنا پر بظاہر اس کا اخراج عمل میں آتا ہے، اس لیے وہ خارج اور مخرج بھی ہے۔ نبی وحی الٰہی کی صوت خفی (پوشیدہ آواز) اور ہلکی آواز سنتا ہے لہٰذا اس میں صوت خفی سننے کے معنی بھی پائے جاتے ہیں، نبی علامات نبوت،

معجزات وآیات کا حامل ہونے کی وجہ سے کمال ظہور کی صفت سے متصف ہو جاتا ہے اس لئے وہ ظاہر بھی ہے، جسمانی اور روحانی اعتبار سے اللہ کے نبی کا مقام سب سے بلند ہوتا ہے، اس لئے اس میں رفعت اور بلندی کے معنی بھی موجود ہیں۔ نبوت اور نبی کے معنی کی یہ تفصیلات ہم نے حسب ذیل کتب سے اخذ کی ہیں۔ مسامرہ، نبراس، شرح مواقف، مفردات امام راغب اصفہانی، اقرب الموارد، شفا قاضی عیاض، مواہب لدنیہ (مقالات کاظمی حصہ سوم زیر عنوان عصمت انبیاء علیہم السلام)

مختصر یہ کہ نبوت اور رسالت کی امتیازی شان کو تسلیم کرنا ہی نبوت ورسالت پر ایمان لانا ہے اور جنھوں نے نبیوں اور رسولوں کی امتیازی شان کو تسلیم نہ کیا، وہ رسالت پر ایمان لانے ہی سے محروم نہ رہے بلکہ اللہ کی 'توحید' پر ایمان سے بھی مشرف نہ ہوئے۔ ہاں ہاں جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو رسول مانا وہ اللہ پر بھی ایمان لائے اور جنھوں نے انھیں رسول نہ مانا، وہ اللہ پر بھی ایمان نہ لا سکے۔ بلکہ رسول اللہ کو رسول اللہ ماننے میں بھی اللہ کو اللہ ماننے کا مفہوم شامل ہے۔ یاد رہے رسول کے مقابلے میں غرور وتکبر یہی ہوتا ہے کہ اس کی عظیم وامتیازی شان کو تسلیم نہ کیا جائے اور یہی کفر کی بنیاد اور طغیان کی روح ہے۔ مولائے روم علیہ الرحمۃ نے بار بار اس نکتے کی وضاحت کی ہے (جیسا کہ اوپر کی آیات میں بھی بار بار اس کی وضاحت آئی ہے۔ غور کیجیے جس حقیقت کو قرآن پاک نے بار بار واضح فرمایا ہو، اس کا سمجھنا کتنا ضروری ہے اور اس کو نہ سمجھنا کتنا خطرناک ہے)

آپ فرماتے ہیں

۱۔ کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر وشیر

۲۔ شیر آں باشد کہ مردم را درد
شیر آں باشد کہ مردم می خورد

۳۔ جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد
کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد

۴۔ ہمسری با انبیاء برداشتند
اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

۵۔ گفتہ اینک مابشر ایشاں بشر
ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خورا

۶۔ ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ!
ہست فرقے درمیاں بے انتہا

۷۔ ہر دو گوں زنبور خوردند از محل
لیک شد زاں نیش و زاں دیگر عسل

۸۔ ہر دوگوں آہو گیاہ خوردند و آب
زاں یکے سرگیں شد و زاں مشک ناب

۹۔ ہر دو نے خوردند ازیک آبخور
آں یکے خالی و آں پُر از شکر

۱۰۔ صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں
فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بیں

۱۱۔ ایں خورد گردد پلیدی زو جدا
واں خورد گردد ہمہ نور خدا

۱۲۔ ایں خورد گردد ہمہ بخل و حسد
واں خورد گردد ہمہ عشق احد

۱۳۔ ایں زمین پاک و آں شور است و بد
ایں فرشتہ پاک و آں دیوست و دد

……﴿ ترجمہ ﴾……

(۱) پاک لوگوں کے معاملہ کو (صرف ظاہر دیکھ کر) اپنے اوپر قیاس مت کرو۔ اگر چہ لکھنے میں شیر اور شیر ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں (مگر فرق ظاہر ہے) (۲) شیر وہ جانور ہے جو لوگوں کو پھاڑ کھاتا ہے (اور) شیر دودھ کو کہتے ہیں جو خود لوگوں کی خوراک ہے۔ (۳) سارا عالم اسی بنا پر گمراہ ہوا کہ انھیں اللہ والوں کا پتا کم ہی چلا (۴) انھوں نے انبیاء کرام علیہم السلام سے برابری کا دعویٰ کیا اور اولیاء اللہ کو اپنے جیسا سمجھا (۵) کہنے لگے ہم بھی بشر ہیں تو وہ بھی بشر ہیں، ہم اور وہ سب بشر سوتے اور کھاتے ہیں (۶) مگر اپنے اندھے پن کی وجہ سے یہ نہ سمجھ سکے کہ ان کے اور ہمارے درمیان بے انتہا فرق ہے (۷) دیکھو دونوں قسم کی بھڑیں ایک ہی جگہ سے کھاتی ہیں مگر ایک سے ڈنک پیدا ہوتا ہے تو دوسری سے شہد (۸) دونوں قسم کے ہرن گھاس کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں مگر ایک

سے مینگنیاں پیدا ہوتی ہیں تو دوسری (قسم) سے خالص کستوری (۹) بظاہر دونوں قسم کے سرکنڈے ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے ہیں، ایک خالی تو دوسرا شکر سے پُر ہوتا ہے۔ (یہاں تک کہ اس کا نام ہی نیشکر پڑ گیا ہے)۔ (۱۰) ایسی لاکھوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، کہ ظاہر میں یکساں ہونے کے باوجود ان کی حقیقت میں ستر برس کی راہ کا فرق ہوتا ہے (۱۱) یونہی عام بندہ کچھ کھاتا ہے تو اس سے پلیدی خارج ہوتی ہے اور اللہ کا پاک بندہ کھاتا ہے تو وہ خوراک نور خدا بن جاتی ہے (۱۲) عام بندہ کھاتا ہے تو اس میں کنجوسی اور حسد پیدا ہوتا ہے اور پاک بندہ کھاتا ہے تو وہ خوراک عشق الٰہی بن جاتی ہے (۱۳) اللہ کا بندہ پاک (وسرسبز زمین) کی طرح ہوتا ہے اور عام بندہ بنجر اور بری زمین کی مانند ہوتا ہے۔ ہاں ہاں اللہ کا بندہ تو فرشتے کی مثل ہے مگر عام بندہ شیطان اور درندہ کی مانند ہے

حضرت سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

"مجوبان کہ محمد رسول اللہ ﷺ را بشر گفتند و در رنگ سائر بشر تصور نمو دند ناچار منکر آمدند و صاحب دولتاں کہ اورا علیہ الصلوۃ والسلام بعنوان رسالت و رحمت عالمیاں دانستند و از سائر ناس ممتاز دیدند، بدولت ایمان مشرف گشتند و از اہل نجات آمدند (دفتر سوم حصہ ہشتم مکتوب ۶۴)

ترجمہ: جن عقل کے اندھوں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بشر کہا اور محض دوسرے انسانوں کی طرح تصور کیا، لامحالہ منکر ہو گئے اور جن خوش نصیب لوگوں نے رسالت اور رحمت عالمیاں کے عنوان سے دیکھا اور سب لوگوں سے ممتاز جانا، دولت ایمان سے مشرف ہو گئے اور اہل نجات میں شامل ہو گئے۔

انبیا کی امتیازی شان

تاجداران نبوت کی عظمت شان سمجھانے کے لئے ہی اللہ نے اپنے رسولوں اور نبیوں کو معجزات عطا فرمائے تاکہ دیکھنے والے دیکھ لیں کہ یہ اللہ کی طرف سے اس کے مظہر و نائب بن کر آئے ہیں اور یہ اسی وجہ سے دوسروں سے بلند و بالا ہیں۔ اگر عام انسانوں اور نبیوں کی قوت علمی و عملی میں کوئی فرق نہ ہو تو ان کے نبی ورسول ہونے کی کیا دلیل ہوگی اور لوگوں کو اس بات کی کیونکر پہچان ہو سکے گی کہ انھیں اللہ ہی نے بھیجا ہے اور جب تک یہ پہچان نہیں ہوگی ان پر ایمان کون لائے گا اور کس دلیل سے لائے گا اور جب تک نبی کی پہچان نہیں ہوگی اللہ کا عرفان جو جن وانس کا مقصد تخلیق ہے، کیونکر حاصل ہوگا۔ مثلاً نبی اپنے اللہ کی شان یوں بتاتے رہے کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کاملہ کا مظہر کسے ہونا چاہئے اسی ذات کو جو اللہ کا تعارف کرانے آئی

ہے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ سچے خدا اور خدائی کے جھوٹے مدعیوں کا فرق واضح ہو سکے۔ اللہ کے نبی کا مقابلہ اللہ کے دشمن سے ہو اور (معاذ اللہ) میدان اللہ کے نبی کے ہاتھ میں نہ رہے تو اللہ کی قدرت کاملہ اور خدائی کے جھوٹے خدا کی بے بسی کا اظہار کیونکر ہوگا اور دیکھنے والے سچے اور جھوٹے میں نیز ایمان و توحید اور کفر و شرک میں فرق کیونکر سمجھیں گے۔

مثلاً ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مقابلہ ہوا نمرود جیسے خود ساختہ خدا اور اس کے منظور کردہ جھوٹے خداؤں یعنی بتوں کے پوجنے والوں کے ساتھ۔ قوم میلے میں معروف تھی اللہ کے خلیل علیہ السلام نے بتخانے میں داخل ہو کر ان کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا واپس آ کر انھوں نے اپنے معبودوں کی ایسی دُرگت بنی دیکھی تو پریشان ہو گئے۔ اللہ کا نبی (علیہ السلام) انھیں یہی سمجھانا چاہتا تھا کہ جو بت اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے، وہ دوسروں کے کیا کام آئیں گے اور ان کی عبادت کا فائدہ ہی آخر کیا ہے۔ چنانچہ نمرود اینڈ کمپنی نے غیرت توحید کے اس مدلل اور تابندہ مظاہرے کو برداشت نہیں کیا اور انھیں زندہ جلانے پر تل گئی۔ مفسرین کے نزدیک وہ ایک مہینہ تک ایندھن ہی اکٹھا کرتے رہے۔ ممکن ہے ان کے ذہن پست میں یہ بات ہو کہ چھوٹی موٹی آگ تو بجھ سکتی ہے مگر ایسی آگ کا اہتمام کرنا چاہیے کہ ابراہیم یا ان کا خدا بھی نہ بجھا

سکے اب اگر سچا خدا آگ نہ بجھا سکتا تو کفر پر اسلام کی فوقیت کیونکر ظاہر ہوتی اور سچے اور جھوٹے خدا کی شان میں کون امتیاز کر سکتا، چنانچہ اللہ نے اپنے نبی کے مقابلے میں اس کے دشمن کو ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا۔ کیسے؟ قرآن پاک فرماتا ہے

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ (الانبیاء۔۶۹)

ترجمہ: ہم نے فرمایا اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر

چونکہ یہ بدبخت دشمن بھی تھا اور گستاخ بھی، اس پر بھی اس کا غرور نہ ٹوٹا تو ایک اور سزا بھی دی گئی جو اس کے لئے رسوا کن بھی زیادہ تھی اور ہلاکت انگیز بھی۔

تذکرہ الانبیاء کے مطابق نمرود کی قوم پر مچھروں کا عذاب بھیجا گیا۔ مچھروں کی زیادتی کا یہ حال تھا کہ ان سے سورج چھپ گیا تھا۔ زمین پر دھوپ نہ آتی تھی۔ مچھروں نے ان کے خون چوس لئے، گوشت چاٹ لئے سوا نمرود کے، باقی سب کی ہڈیاں ہی باقی رہ گئیں۔ نمرود دیکھتا تھا مگر کچھ نہ کر سکتا تھا۔ پھر ایک مچھر اس کی ناک کے ذریعے دماغ میں گھس گیا اور چار سو سال تک مغز کاٹتا رہا، جب اوپر سے دھمک پہنچتی تو کاٹنا چھوڑ دیتا ورنہ پھر کاٹتا۔ چنانچہ دن رات اس کے سر پر جوتے اور تھپڑ پڑتے رہتے تھے۔ اب اس کے دربار کا ادب یہ تھا کہ جو آئے، اس کے سر پر جوتا رسید کرے۔ اس سے پہلے چار سو سال بہت آرام سے سلطنت کی اور چار سو برس پٹتا رہا، پھر بہزار ذلت مرا۔ اس کی عمر آٹھ سو سال

سے کچھ ہی زیادہ ہوئی (تذکرۃ الانبیاء از علامہ قاضی عبد الرزاق بھترالوی بحوالہ تفسیر خازن)

ذرا اس پر بھی غور کیجئے اللہ کا دشمن جب اس کے رسول کا گستاخ بھی ہو جاتا ہے اور اس کی اطاعت سے روگردانی کر لیتا ہے تو اس کا انجام کتنا عبرتناک ہوتا ہے۔ جب تک نمرود بزعم خویش اور بقول خویش 'خدا' کہلاتا رہا، اسے سزا نہ دی گئی، بلکہ اسے 'استدراجات' کے حوالے سے خوب کھل کھیلنے کا موقعہ دیا جاتا رہا، جب اسے اور باقی معاشرے کو سمجھانے کے لئے اللہ نے اپنے خلیل علیہ السلام کو بھیجا۔ اور جناب خلیل علیہ السلام نے اسے سمجھانے کا حق ادا کر دیا حتیٰ کہ شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ رہنے دی تو اسے اس سرتابی کی جو سزا دی گئی وہ رہتی دنیا تک کے لئے آئینہ عبرت و موعظت بن گئی۔

یہی نتیجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مقابلے کا ہوا اور جب اس بدبخت کو موسیٰ علیہ السلام کی بے پناہ طاقتیں (یعنی معجزات) دیکھ کر بھی ان کے بھیجنے والے اللہ جل جلالہ کی قدرت مطلقہ وکاملہ پر ایمان لانے کی سعادت نہ ملی تو اسے اپنی فوج سمیت غرقاب کر دیا گیا۔ یہی نہیں جہاں کہیں بھی اللہ کے نبیوں اور رسولوں سے اللہ اور ان کے دشمنوں اور گستاخوں کا مقابلہ ہوا، یہی نتیجہ نکلا۔ موسیٰ علیہ السلام تو موسیٰ علیہ السلام ہیں، انکے 'عصا' کو جو قوتیں اور برکتیں دی گئیں، ساری دنیا کا جادو مل کر بھی اس کے سامنے ہیچ ہے۔ اگر اللہ کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو یہ کمالات و معجزات نہ ملتے تو کیونکر پتا چلتا کہ وہ اللہ کے رسول (بھیجے ہوئے) ہیں اور اللہ کی شانِ قدرت کیا ہے۔ یہی پس منظر تھا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے خداداد کمالات کا یوں اعلان کیا۔

وَرَسُوۡلًا اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۙ اَنِّىۡ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ۙ اَنِّىۡۤ اَخۡلُقُ لَـكُمۡ مِّنَ الطِّيۡنِ كَهَیْـــَٔةِ الطَّيۡرِ فَاَنۡفُخُ

فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَ
بْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ
وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران۔ ۴۹)

ترجمہ: اور رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف، یہ فرماتا ہوا کہ میں تمھارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمھارے رب کی طرف سے کہ میں تمھارے لئے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے اور تمھیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو، بے شک ان باتوں میں تمھارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغمبرانہ خطاب (جس کے بارے میں اللہ نے پہلے ہی فرما دیا تھا) پر غور کیجیے، کتنے عقدوں کا حل ہے (خصوصاً جب انھیں اللہ نے خود اس اعلان کے لئے بھیجا ہو) اور توحید کے ساتھ تعلق رکھنے والے کتنے سوالات کا جواب ہے۔ مثلاً یہ سوال کہ:

دنیا اور دنیا والوں کا خالق کون ہے؟ یعنی انھیں 'نیست' سے 'ہست' کرنے والا کون ہے؟ اللہ کا پیغمبر (علیہ السلام) سامنے آجاتا ہے، وہ اس کا جواب سمجھانا چاہتا ہے تو فرماتا ہے، میری طرف دیکھیے مٹی سے ایک پیکر گھڑتا ہوں اور پھر اس میں پھونک مارتا ہو

ں تو وہ پرندہ یعنی (اڑنے والا) ہو جاتا ہے۔ گویا میرے پھونک مارنے سے پہلے تو ایک جسم بے جان تھا، پھونک سے اس میں جان پڑ گئی۔ مگر یہ میرا ذاتی کمال نہیں ہے ذاتی کمال اس کا ہے جس نے مجھے یہ اذن اور طاقت بخشی ہے۔ میں اس کی طرف سے ماذون (یعنی اذن دیا گیا) ہوں اور اس کا مظہر و نائب ہوں۔ اصل میں وہی خالق ہے یعنی اللہ، جس کے اذن سے مجھ میں یہ کمال پیدا ہوا ہے۔ اس نے بھی آدم علیہ السلام کا جسم مٹی سے بنا کر اس میں پھونک ماری تھی، قرآن پاک نے اس واقعے کو اس طرح بیان کیا ہے

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ ○

(الحجر۔۲۹)

ترجمہ: تو جب میں اسے ٹھیک کر لوں اور اس میں اپنی طرف کی (خاص معزز) روح پھونک دوں تو اس کے لئے سجدے میں گر پڑنا۔

اللہ پیدا کرتا ہے تو یہ اس کا ذاتی کمال ہے اس لئے خالق حقیقی وہی ہے عیسیٰ علیہ السلام پھونک مار کر پرندہ بنا دیتے ہیں تو یہ ان کا عطائی کمال ہے، اس لئے وہ خالق حقیقی نہیں بلکہ اس (خالق حقیقی) کے رسول اور مظہر و نائب ہیں، بعض لوگ بے سوچے سمجھے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب اللہ کے اذن ہی سے یہ کمال تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کیا کمال ہوا، سو عرض یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا کمال یہ ہے کہ اللہ نے انھیں اذن دیا اور بڑے بڑے حکما و فضلا کو یہ کمال نہیں بخشا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اذن نہیں بخشا وہ اس شخصیت کے برابر کیوں کر ہو سکتا ہے، جسے اللہ نے اذن بخشا ہے۔

اسی قرآن پاک میں بتوں کے بارے میں فرمایا گیا

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ

اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ○ (الحج۔۷۳)

ترجمہ: وہ جنھیں اللہ کے سوا تم پوجتے ہو، ایک مکھی نہ بنا سکیں گے اگر چہ سب اس پر اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو اس سے چھڑا نہ سکیں، کتنا کمزور چاہنے والا اور وہ جس کو چاہا۔ (کنزالایمان)

دیکھا آپ نے؟ ساری دنیا کے جھوٹے معبود مل کر بھی ایک مکھی نہیں بنا سکتے اور یہ حق ہے۔ بعض لوگ اسی قسم کی آیات جو بتوں کے بارے میں نازل ہوئیں اللہ کے محبوبوں پر چسپاں کر دیتے ہیں حالانکہ قرآن پاک میں واضح کر دیا گیا کہ اللہ کے سب نبی مل کر نہیں صرف ایک نبی کی یہ طاقت ہے کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے اختیار سے پورا پرندہ بنا دیتا ہے۔ بظاہر احتیاط کا تقاضا یہ نظر آتا ہے کہ کم از کم عیسٰی علیہ السلام کی یہ شان بیان نہ کی جاتی کہ انھیں بھی عیسائیوں نے خدا مان لیا تھا۔ مگر اللہ نے اس کی کوئی پروا نہیں کی، بلکہ پورے اہتمام سے اپنے روح اللہ کی شان بھی بیان کی اور باذن اللہ فرما کر عیسائیت کی تردید بھی کر دی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا، بت اللہ کے مقابل ٹھہرائے گئے جب کہ عیسٰی اس کے نبی اور کمالات توحید کے مظہر ہیں۔

یہاں سے یہ نکتہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ توحید کی وضاحت کرنے کے سلسلے میں احتیاط یہ نہیں کہ کسی نبی کی شان چھپائی جائے بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اسے پوری آب و تاب سے بیان کیا جائے۔ یہاں ان لوگوں کی حیثیت بھی متعین کر لیجیے جو بتوں کی بے بسی بیان کرنے والی آیات اللہ کے پاک نبیوں پر چسپاں کر دیتے ہیں اور

کافروں کے ذکر والی آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کر دیتے ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں وارد ہے کہ وہ اس قسم کے لوگوں کو جنھیں پہلے دور میں خوارج کہا جاتا تھا۔ بدترین مخلوق سمجھتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے۔

كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ الْخَلْقِ وَقَالَ اِنَّهُمْ اِنْطَلَقُوْا اِلٰى اٰيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما انھیں بدترین مخلوق سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ان قرآنی آیات کو جو کفار کے حق میں نازل ہوئیں مسلمانوں پر لگاتے ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا دوسرا اور تیسرا کمال یہ بیان فرمایا ہے کہ

اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ

ترجمہ: میں مادرزاد اندھے اور برص کے مریض کو شفا بخشتا ہوں

یہ نہیں فرمایا جارہا کہ میں مادرزاد اندھے کا علاج کرتا ہوں، کچھ روز اپنے پاس رکھتا ہوں دوائی استعمال کراتا ہوں اور پھر اپریشن کرتا ہوں اور پھر حسب ضرورت لینز لگوا کر مادرزاد اندھا انکھیارا ہو جاتا ہے۔ یہ سارے مرحلے تو میڈیکل سائنس کی بیست صد سالہ (۲۰۰۰) ترقی کے بعد ڈاکٹروں کے ہاں طے ہوئے ہیں اور وہ بھی ان کے لئے نہیں جو مادرزاد اندھے ہیں، ان کے لئے ہیں جن کی نظر کمزور ہو اور پردے کے اندر روشنی کے امکانات موجود ہوں، ورنہ ڈاکٹر صاف جواب دیتے ہیں۔ مگر بڑے سے بڑے ڈاکٹر کی طبابت اللہ کے نبی کی شفا بخشی کے سامنے اور اس کی تحقیق و تدقیق مقام نبوت کے آگے کیا حیثیت رکھتی ہے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں بڑے حکما اور

دانشور موجود تھے، انھیں مقام توحید اور مقام نبوت سمجھانے کے لئے اس سے زیادہ مضبوط، مدلل اور مسکت طریقہ کیا ہو سکتا تھا۔ ان حکماء و اطباء کے نزدیک تو برص کا مرض بھی ناقابل علاج تھا۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے خصوصاً اس کا ذکر فرمایا ورنہ اگر عام بیماریوں کا ذکر کرتے تو وہ کہہ دیتے کہ ان کا علاج تو ہم بھی کر سکتے ہیں۔ علاج سے صحت یاب کرنا اور ہے اور محض باذن اللہ اور۔ اللہ مسبب الاسباب ہے، سب اسباب اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں اسی کی قدرت سے اسباب بنتے ہیں اور ان میں تاثیر پیدا ہوتی ہے تاہم اسے خود کسی سبب کی حاجت نہیں اس کا بندہ خاص بھی اس کے قرب کی بنا پر دنیا کے اسباب کا محتاج نہیں رہتا۔ گویا یوں سمجھئے مسبب الاسباب اپنے نبی، اپنے نائب، اپنے مظہر اور اپنے بندے کو بھی مافوق الاسباب کر دیتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چوتھا کمال یہ بیان فرمایا

وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ

ترجمہ: اور میں مردے زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے

احیائے موتیٰ یعنی مردوں کو زندہ کرنا ایسا مشکل ہے کہ ناممکن دکھائی دیتا ہے اور یقیناً اس موت کے سامنے ہر شخص بے بس ہے۔ اس دور کے حکمائے یونان جنھیں اپنی طبابت کے کمال پر بڑا ناز تھا، اس کے آگے ہتھیار ڈال چکے تھے اور اتنی صدیاں بیت جانے کے بعد آج جب کہ میڈیکل سائنس بھی بڑے عروج پر ہے۔ موت کے آگے سب بے بس ہیں۔ اگر اللہ کا پیغمبر بھی مردے زندہ نہ کر سکتا تو کیونکر معلوم ہوتا کہ واقعی اللہ ہی موت کا بھی خالق ہے اور موت اسی کے حکم سے وارد ہوتی ہے۔ جیسے معجزات کا انکار کرنے والے قدیم و جدید مشرک و ملحد فلاسفہ کے نزدیک خدا بھی طبعی قوانین کو معاذ

اللہ تبدیل نہیں کر سکتا، موت کو بھی قدرت خداوندی سے باہر جانتے۔ موجودہ دور کے منکرین حدیث کا رویہ بھی ایسا ہی ہے (کیونکہ نیچریوں کی طرح یہ گروہ بھی اسباب و علل میں پوری طرح جکڑا ہوا ہے) بہر حال اس قسم کے سب بے دینوں کو خاموش کرنے کیلئے ضروری تھا کہ قرآن اللہ کے ایک نبی (علیہ السلام) کے کمالات اس حوالے سے پیش کرتا، چنانچہ اس سے بالکل واضح ہو گیا نبی اور غیر نبی میں کیا فرق ہے نیز نبی کا یہ کمال توحید و تکوین کا کتنا واضح ثبوت ہے۔ ہاں ولی کو اگر مردے زندہ کرنے کا اذن ملتا ہے تو وہ بھی نبی کا صدقہ ہی ہوتا ہے (علیہ السلام)

آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنا پانچواں خداداد کمال بیان کرتے ہیں

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ

ترجمہ: اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو۔

لوگ جو کھاتے ہیں اور گھروں میں جو ذخیرہ کرتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعلان کے مطابق وہ اسے جانتے ہیں اور فاصلہ یا دیواریں ان کی نظر غیب بین کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتیں۔ ایک شخص اپنے گھر کے صحن میں کھڑا ہو، وہ کمرے میں رکھی ہوئی چیز نہیں دیکھ سکتا کہ راستے میں دیوار حائل ہے۔ جو دوسرے گھر میں رہتا ہے، نہیں بلکہ دوسرے محلے یا دوسرے گاؤں یا شہر میں رہتا ہے، آکر پوچھتا ہے کہ میں کیا کھا کر آیا ہوں یا اس وقت ہمارے گھر میں کیا ہے، تو جناب عیسیٰ علیہ السلام جیسا موت و حیات پر باذن خداوندی حکمرانی کرنے والا پیغمبر بے توقف اسے ہر سوال کا جواب دیتا ہے۔ خیال فرمایئے جس کے سامنے گھر کی تمام چیزیں ہیں، کیا گھر کے افراد اور دوسرے

مال، اسباب اس کے سامنے نہیں ہوں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام انھیں مقرون سے مجرد تک لیجانا چاہتے ہیں اور یوں ان کے گھر کی چیزیں بتا کر انھیں عالم غیب کے بارے میں اپنے علم وسیع کا تعارف کرا رہے ہیں۔ اگر آپ پہلے اپنی نظر غیب بین کا یہ کمال نہ دکھاتے تو جنت و دوزخ اور عذاب قبر وغیرہ عالم غیب کے حقائق کی دلیل کس طرح دیتے اور سمجھنے والے نبوت کے علمی و مشاہداتی امتیازات کو کیونکر سمجھ پاتے۔

بہار شریعت کی گواہی

سوچئے کیا یہ وہی بات نہ ہوئی جو بہار شریعت جلد اول میں نبی کے مشاہدے کے متعلق اہل اسلام کے عقیدے کے طور پر تلمیذ اعلیحضرت مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

> "اللہ عزوجل نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیوب پر اطلاع دی، زمین و آسمان کا ہر ذرہ ہر نبی کے پیش نظر ہے مگر یہ علم غیب کہ ان کو ہے، اللہ کے دیئے سے ہے لہذا ان کا علم عطائی ہوا اور علم عطائی اللہ عزوجل کے لئے محال ہے کہ اس کی کوئی صفت، کوئی کمال کسی کا دیا ہوا نہیں ہوسکتا بلکہ ذاتی ہے۔ جو لوگ انبیاء بلکہ سید الانبیاء ﷺ سے مطلق علم غیب کی نفی کرتے ہیں، وہ قرآن عظیم کی اس آیت کے مصداق ہیں۔
>
> اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (۸۵:۲)
>
> یعنی قرآن عظیم کی بعض باتیں مانتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر

کرتے ہیں کہ آیت نفی دیکھتے ہیں اور ان آیتوں سے جن میں انبیاء علیہم السلام کو علوم غیب عطا کیا جانا بیان کیا گیا ہے، انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ نفی واثبات دونوں حق ہیں کہ نفی علم ذاتی کی ہے کہ یہ خاصہ الوہیت ہے، اثبات عطائی کا ہے کہ یہ انبیاء ہی کی شایان شان ہے اور منافی الوہیت ہے اور یہ کہنا کہ ہر ذرہ کا علم نبی کے لئے مانا جائے تو خالق ومخلوق کی مساوات لازم آئے گی، باطل محض ہے کہ مساوات تو جب لازم آئے کہ اللہ عزوجل کے لئے بھی اتنا ہی علم ثابت کیا جائے اور یہ نہ کہے گا مگر کافر۔ ذرات عالم متناہی ہیں اور اس (اللہ) کا علم غیر متناہی، ورنہ جہل لازم آئے گا اور یہ محال کہ خدا جہل سے پاک نیز ذاتی وعطائی کا فرق بیان کرنے پر بھی مساوات کا الزام دینا صراحۃً ایمان واسلام کے خلاف ہے کہ اس فرق کے ہوتے ہوئے مساوات ہو جایا کرے تو لازم کہ ممکن وواجب وجود میں معاذ اللہ مساوی ہو جائیں کہ ممکن بھی موجود ہے اور واجب بھی موجود اور وجود میں مساوی کہنا صریح کفر کھلا شرک ہے۔ انبیاء علیہم السلام غیب کی خبر دینے کیلئے ہی آتے ہیں کہ جنت ونار وحشر ونشر وعذاب وثواب غیب نہیں تو اور کیا ہیں۔ ان کا منصب ہی یہ ہے کہ وہ باتیں ارشاد فرمائیں جن تک عقل وحواس کی رسائی نہیں اور اسی کا نام غیب ہے۔ اولیاء کو بھی علم غیب ہوتا ہے مگر بواسطہ انبیاء کے"

(ص ۹۔ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز)

﴿مقام نبوت حضرت مجدد الف ثانی کی نظر میں﴾

کون نہیں جانتا جلال الدین اکبر جیسے اسلام دوست کو اسلام دشمن بنانے میں ملا مبارک اور اس کے دو فلسفہ زدہ بیٹوں ابوالفضل اور فیضی کا خاص ہاتھ تھا۔ ان تینوں بدبختوں نے اسلام اور قرآن کے بارے میں اسے اور اس کے ضمیر فروش 'بندوں' کو شکوک وشبہات بلکہ کفر والحاد میں مبتلا کر دیا تھا۔ ان کے زیر اثر جب ضرورت وحی و نبوت کا انکار کیا گیا تو امام ربانی حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ نے صرف بائیس سال کی عمر میں ایک کتاب متکلمین کے انداز میں لکھی جس کا نام ہے اثبات النبوۃ، اس میں 'مقام نبوت' کی حقیقت اور ضرورت واہمیت کو اس طرح سمجھاتے ہیں۔

"پہلا مسلک بعثت اور نبوت کی حقیقت میں اور تمام مخلوقات کے لئے اس کا محتاج ہونے کے بیان میں ہے۔ جان لو کہ جو ہر انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے سادہ اور خالی ہوتا ہے۔ اسے اللہ کے عوالم کی کوئی خبر نہیں ہوتی، ویسے بھی عوالم بہت زیادہ ہیں جنھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ط (المدثر۔۳۱)

ترجمہ: اور تمھارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا

عوالم کی خبر ادراک کے ذریعے ہوتی ہے۔ سو ادراکات میں سے ہر ادراک اسی لئے پیدا کیا گیا ہے کہ انسان کو موجودات میں سے کسی نہ کسی عالم کی اطلاع دے اور عوالم سے ہماری مراد مو

جودات کی مختلف قسمیں ہیں۔ سو انسان میں سب سے پہلے چھونے کی حس (قوت لامسہ) پیدا کی گئی جس سے گرمی، سردی، نمی خشکی، نرمی اور سختی وغیرہ کا پتا چلتا ہے، اور اس چھونے کی حس کو رنگوں اور آوازوں کا کوئی پتا نہیں چلتا بلکہ وہ اس کے لئے گویا موجود ہی نہیں، پھر دیکھنے کی حس (قوت باصرہ) پیدا کی جاتی ہے جس سے رنگوں اور شکلوں کا ادراک ہوتا ہے اور یہ عالم محسوسات میں سب سے زیادہ وسیع ہے پھر اس کے لئے سننے کی حس (قوت سامعہ) کھول دی جاتی ہے جس سے انسان آوازیں اور نغمے سنتا ہے، پھر اس کے لئے چکھنے کی حس (قوت ذائقہ) پیدا کی جاتی ہے، حتیٰ کہ وہ عالم محسوسات سے گزر جاتا ہے تو اس کے اندر تمیز پیدا کی جاتی ہے (فَيُخْلَقُ فِيهِ التَّمْيِيزُ) اس وقت وہ سات سال کے قریب ہوتا ہے اور یہ اس کی ہستی کا ایک اور طور ہے جس میں ان امور کا ادراک کر لیتا ہے جو محسوسات کے دائرے میں نہیں آتے۔ پھر ایک اور طور (یا درجے) کی طرف ترقی کرتا ہے جس میں عقل پیدا کی جاتی ہے۔ اب وہ واجبات، جائزات، مستحبات اور ایسے امور کا ادراک کر لیتا ہے جن کا تعلق پہلے اطوار (یا درجات) سے نہیں ہوتا اور عقل سے آگے ایک اور طور ہے۔

تَنْفَتِحُ فِيهِ عَيْنٌ أُخْرَى يُبْصِرُ بِهَا الْغَيْبَ وَمَا سَيَكُونُ فِي الْمُسْتَقْبَلِ وَأُمُورًا أُخْرَى الْعَقْلُ مَعْزُولٌ عَنْهَا

جس میں ایک اور آنکھ کھل جاتی ہے جس سے غیب اور مستقبل کے واقعات نیز ایسے امور نظر آ جاتے ہیں جن سے عقل معزول ہوتی ہے

............فَکَذٰلِکَ النُّبُوَّۃُ عِبَارَۃٌ عَنْ طَوْرٍ تَحْصُلُ فِیْہِ عَیْنٌ لَّھَا یَظْھَرُ فِیْ نُوْرِھَا الْغَیْبُ وَاُمُوْرٌ لَا یُدْرِکُھَا الْعَقْلُ

اسی طرح نبوت سے مراد وہ طور ہے جس میں ایسی آنکھ حاصل ہو جاتی ہے جس کی روشنی میں غیب اور عقل کے ادراک سے بالاتر امور ظاہر ہوتے ہیں۔

﴿مقام نبوت حضرت علامہ غزالی کی نظر میں﴾

حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں امام غزالی سے منقول ہے

اَلنُّبُوَّۃُ عِبَارَۃٌ عَمَّا یَخْتَصُّ بِہِ النَّبِیُّ وَیُفَارِقُ بِہٖ غَیْرَہٗ وَھُوَ یَخْتَصُّ بِاَنْوَاعٍ مِّنَ الْخَوَاصِ اَحَدُھَا اَنَّہٗ یَعْرِفُ حَقَائِقَ الْاُمُوْرِ الْمُتَعَلِّقَۃِ بِاللّٰہِ تَعَالٰی وَصِفَاتِہٖ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَالدَّارِ الْاٰخِرَۃِ عِلْمًا مُخَالِفًا لِعِلْمِ غَیْرِہٖ بِکَثْرَتِ الْمَعْلُوْمَاتِ وَزِیَادَۃِ الْکَشْفِ وَالتَّحْقِیْقِ وَثَانِیْھَا اَنَّ لَہٗ فِیْ نَفْسِہٖ صِفَۃً بِھَا تَتِمُّ الْاَفْعَالُ الْخَارِقَۃُ لِلْعَادَۃِ کَمَا اَنَّ لَنَا صِفَۃً تَتِمُّ بِھَا الْحَرَکَاتُ الْمَقْرُوْنَۃُ بِاِرَادَتِنَا وَھِیَ الْقُدْرَۃُ ثَالِثُھَا اَنَّ لَہٗ صِفَۃً بِھَا یُبْصِرُ الْمَلٰئِکَۃَ وَیُشَاھِدُ

ھم کما ان للبصیر صفۃً بِھا یُفارق الا عمٰی رابعھا انّ له صفۃً بِھا یُدرِکُ ما سیکون فِی الغیب

ترجمہ: نبوۃ اس چیز سے عبارت ہے کہ جس کے ساتھ نبی مختص ہے اور غیروں سے ممتاز ہے۔

ایک یہ کہ جو امور اللہ جل جلالہ اور اس کی صفات اور فرشتوں اور آخرت کے ساتھ متعلق ہیں، نبی ان حقائق کا عارف ہوتا ہے اور دوسروں کو کثرت معلومات اور زیادتی کشف و تحقیق میں اس سے کچھ نسبت نہیں۔

دوم یہ کہ اس کی ذات میں ایک ایسا وصف ہے جس سے افعال خارقہ عادت صادر ہوتے ہیں جس طرح کہ ہمیں ایک وصف قدرت کا ایسا حاصل ہے کہ جس سے ہماری حرکات ارادیہ سرزد ہوتی ہیں۔

سوم یہ کہ نبی کو ایک ایسا وصف حاصل ہے جس سے ملائکہ کو دیکھتا ہے اور ان کا مشاہدہ کرتا ہے جس طرح کہ بینا کو ایک وصف حاصل ہے جس کے باعث وہ نابینا سے ممتاز ہے

چہارم یہ کہ نبی کو ایک ایسا وصف حاصل ہے جس سے وہ غیب کی آئندہ باتوں کا ادراک کر لیتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا نقطہ نظر

لوازمِ نبوت میں سے یہ امر ہے کہ قوت عاقلہ اور قوت عاملہ میں اسے کامل و مکمل کیا جاتا ہے قرآن کریم میں اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسٰلَتَہٗ میں اسی طرف

اشارہ ہے۔ قوت عاقلہ جو نبی کو عطا ہوتی ہے اس کے ذریعے عالم غیب سے ان پر وحی نازل ہوتی ہے اور جنت، دوزخ اور فرشتوں وغیرہ امور غیبیہ کا مشاہدہ کرتے ہیں اور واقعات عجیبہ بصورت مثال دیکھتے ہیں۔

اسی طرح وہ اپنی مخصوص خداداد قوت عاملہ کے سبب معاصی سے معصوم ہوتے ہیں اور آداب طاعات وعبادات اور تدبیر منزل اور سیاست مدن میں سب سے آگے ہوتے ہیں۔ خلق، شجاعت، سخاوت، کفایت وعدالت، شناختِ مصلحت قوم اور استقامت کی بنیاد اسی قوت عاملہ پر ہے۔

اگر ناظرین اس سے بھی آسان انداز میں مقامات نبوت کو پہچاننا چاہیں تو ہم کہتے ہیں کہ چار قسم کے اشخاص نبی کے تن واحد میں جمع ہوتے ہیں۔

شخص اول: بادشاہ عادل جس کے حسن انتظام کے سبب اہل قلم واہل علم، فوج اور افسران فوج، اہل سیاست، کاشتکار ونجار وغیرہ جمیع رعایا وبرایا ہزار جان یک قالب کا در جہ رکھتے ہیں۔ اگر ان گروہوں میں اتحاد واتفاق قائم نہ ہو تو قائم ہو جائے اور اگر ہو تو اس میں ترقی ہو جائے۔ قصہ کوتاہ بخت واقبال حکمت، عدالت، کفایت وشجاعت وغیرہ جمیع امور جو اس بادشاہ کے لئے ضروری اوصاف ہیں سب کے سب نبی کی ذات قدسیہ میں ہوتے ہیں۔

شخص دوم: ایسا حکیم ہو حکمت عملیہ میں ممتاز و فائق، علم اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدن میں مہارت تامہ رکھتا ہے۔ قرآن پاک میں جس نبی کا ذکر بھی آیا ہے اٰتَیْنٰهُ الْحِکْمَةَ (یعنی ہم نے اسے حکمت سے نوازا) بھی اس کے متعلق بیان کیا گیا۔

شخص سوم: وہ عارف کامل صوفی کامل اور مرشدِ کامل ہے جو تہذیب نفس اور تزکیہ قلب کے طریقوں سے پوری طرح واقف ہو۔ عجیب و غریب کرامات و خوارق سے آراستہ ہو۔ جس کی تاثیر صحبت نے گمراہوں کو راہ راست دکھائی ہو۔ جس نے سالہا سال کی ریاضت سے اپنے نفس کو مہذب بنا کر عالم اجسام سے عالم ارواح تک رسائی حاصل کی ہو۔ بلند مقامات اور گردش احوال میں اپنی مثال آپ ہو۔

شخص چہارم: وہ جبرئیل علیہ السلام ہے جو آسمانوں میں حاکم ہے۔ خداوند ذوالجلال اور انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان سفیر ہے۔ وحی والہام کا فرشتہ ہے اور تدبیر الٰہی کا ایک مظہر ہے نیز تدبیر امر کرنے والے فرشتوں کا سردار ہے۔ چنانچہ نبی کی اصل جبلت جبرئیلی ہوتی ہے اور ملاءِ اعلیٰ سے جو علوم اس کے قلب و عقل پر نازل ہوں، ان کو آسانی سے اخذ و جذب کر سکتا ہے۔ (شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات بحوالہ ازالۃ الخفاء)

حضرت اقبال کا نقطہ نظر

آپ نے فرمایا،

""شعور نبوت کو تو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں زمانے کی ساری وسعتیں سمٹ کر ایک نقطے پر آجاتی ہیں۔ ماضی و حال اور مستقبل کا امتیاز قائم نہیں رہتا۔ لہٰذا ہمارے لئے جو بات آنے والی ہوتی ہے۔ شعور نبوت کو پہلے ہی اس کا علم ہوتا ہے اس طرح جیسے اس کا ظہور ہو رہا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر حقیقت اور ہر صداقت کو

اپنے سامنے عیاں دیکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے وحی الٰہی میں ان کے یقین کامل کی۔ لہذا جس علم کا سرچشمہ ہے وحی الٰہی، اس میں یقین ہی یقین ہوگا۔ اس کے برعکس عقل اور فکر کی دنیا ہے کہ ہم اس میں قدم بقدم آگے بڑھتے ہیں۔ اس میں اثبات کے ساتھ نفی اور یقین کے ساتھ ظن کا پہلو قائم رہتا ہے۔ فلسفہ نام ہے انسان کی دماغی کاوشوں کا لیکن یہ کاوشیں آخر انسانی ہیں۔ ان میں یقین کا رنگ پیدا نہیں ہوسکتا۔ بالخصوص وہ یقین جسے ہم علم الیقین، حق الیقین اور عین الیقین سے تعبیر کرتے ہیں۔ فکر میں یقین کا رنگ پیدا ہوگا تو وحی الٰہی کی بدولت کہ اس کی رہنمائی میں آگے بڑھے"

(اقبال کے حضور از سید نذیر نیازی ص ۶۲)

آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خطبہ رسالت ملاحظہ فرمالیا۔ حقیقت یہ ہے نبوت و رسالت کے کمالات و معجزات اور امتیازات کو سمجھنے کے لئے یہی کافی ہے۔ (یقیناً وہ بلند مقام حضرات جنھیں اللہ نے بنی نوع انسان کو سمجھانے کے لئے نبوت سے سرفراز فرمایا، ان سے بڑھ کر کس کا علم یقینی، کس کا بیان بلیغ اور کس کا کلام واضح ہوسکتا ہے۔ وہ بھی اگر کسی نکتے کی وضاحت نہ کرسکیں تو انھیں نبی بنانے کا مقصد ہی کیا رہ جاتا ہے (حقیقت یہ ہے کہ ان کے علم اور ان کے انداز تفہیم پر شک کرنا بھی کفر اور ان کے مالک و مولا اللہ عزوجل کے علم و انتخاب کی توہین ہے) لہذا سمجھنے والوں کے لئے تو حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا بیان ہی کافی حیات بخش و سکون بخش ہے۔ ہاں ان کی حیات بخشی سے کوئی مردہ دل انکار کرے تو الگ بات ہے۔ تاہم مزید اطمینان کے لئے

قرآن پاک کی روشنی میں اس نکتے کی وضاحت کی جاتی ہے کہ اللہ کے نبی اور رسول علم غیب ہی میں نہیں، اپنے تمام حواس میں بھی دوسرے بنی نوع سے اس حد تک ممتاز و منفرد ہیں کہ کسی دوسرے کے حواس کی ان کے سامنے حیثیت ہی نہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے حواس قرآن حکیم کی روشنی میں

'دیکھنا' انسانی حواس میں سب سے پہلے مذکور ہوتا ہے۔ عام انسان سامنے کی اشیاء کو ہی دیکھ سکتا ہے اور وہ بھی بہت محدود۔ کئی ایسی چیزیں ہیں جو ہمارے سامنے ہوتی ہیں مگر ہمیں نظر نہیں آتیں۔ چنانچہ انہیں خوردبین سے دیکھا جاتا ہے۔ بلکہ بعض اشیاء خوردبین کی مدد سے بھی نہیں دیکھی جاسکتیں۔ اور تو اور اپنے جسم کے کئی اعضا بھی ہماری نظر کے دائرے سے باہر ہیں۔ مگر انبیاء کرام علیہم السلام کا معاملہ یوں نہیں، ان کی نظر زمین و آسمان کی وسعتوں کو دیکھتی ہے۔ دیکھیے قرآن حکیم کا فتویٰ

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ (الانعام:۷۵)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے

یونہی ان کا سننا بھی عام انسانی قوت سماعت کے مقابلے میں غیر محدود ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں قرآن پاک نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ہے جن کے لشکر کی یہ کیفیت تھی۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ

يُوْزَعُوْنَ ۝ (النمل ۔۱۷)

ترجمہ: اور جمع کیے گئے سلیمان کے لیے اس کے لشکر جنوں اور آدمیوں اور پرندوں سے تو وہ روکے جاتے ہیں۔

دیکھیں ایک 'نبی' کی حکومت، اس کے لشکروں کے سامنے دنیا کے لشکروں کی کیا حیثیت ہے اب آگے چلیے۔

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (النمل ۔۱۸)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے نالے پر آئے، ایک چیونٹی بولی، اے چیونٹیو اپنے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں، سلیمان اور ان کے لشکر بے خبری میں۔

اس آواز کا نتیجہ کیا نکلا، قرآن پاک فرماتا ہے

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا .... الخ (النمل:۱۹)

ترجمہ: تو اس کی بات سے (سلیمان) مسکرا کر ہنسا۔

یہی ان کی قوتِ شامہ (یعنی سونگھنے کی حس) کا حال ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا پیراہن لے کر حضرت یہودا مصر سے چلتے ہیں تو اللہ کے پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام ان کی خوشبو محسوس کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ (یوسف:۹۴)

ترجمہ: اور جب قافلہ (مصر سے) جدا ہوا، یہاں ان کے باپ نے کہا، بیشک میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھ گیا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے حواس کی یکتا قوتوں کے یہ شواہد قرآن پاک سے پیش کیے ہیں، اگر احادیث مقدسہ کے حوالے بھی ملا لیے جائیں تو مضمون طویل ہو جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک پر ایمان رکھنے والوں کے لیے اتنے شواہد ہی کافی ہیں، تاہم ایک حوالہ حدیث پاک سے بھی حاضر ہے۔

انبیاءِ کرام علیہم السلام کی جسمانی طاقت

مسلم شریف کتاب الفضائل کے باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام میں دو ہم معنی مضمون کی حدیثیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ جن میں سے صرف پہلی حدیث یہاں درج کی جاتی ہے۔ (یہ ترجمہ مشہور غیر مقلد محدث وحید الزمان نے کیا ہے)

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے موت کا فرشتہ (عزرائیل علیہ السلام) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا، جب وہ آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ایک طمانچہ مارا اور اس کی آنکھ پھوڑ دی۔ وہ لوٹ کر پروردگار کے پاس گیا، اور عرض کیا تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو موت کو نہیں چاہتا، اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ پھر درست کر دی اور فرمایا جا اور اس بندے سے کہہ تم اپنا ہاتھ ایک بیل کی پیٹھ پر رکھو اور جتنے

بال تمہارے ہاتھ تلے آویں، اتنے برس کی عمر تم کو ملے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا' اے پروردگار! پھر اس کے بعد کیا ہوگا ' حکم ہوا' پھر مرنا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا' تو پھر ابھی سہی' انھوں نے دعا کی' یا اللہ مجھے پاک زمین کے نزدیک کر دے (یعنی بیت المقدس کے) ایک پتھر کی مار برابر، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اگر میں وہاں ہوتا تم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر دکھا دیتا، راستہ کی طرف سرخ دھار دار ریتی کے پاس۔"

﴿ایک ایمان افروز واقعہ﴾

"۵۴-۱۹۵۳ کی تحریک ختم نبوت کے دور کی بات ہے تمام مکاتب فکر کے علماء اکٹھے تھے۔ نبی معظم ﷺ کے اوصاف وکمالات اور خصوصیات کا تذکرہ ہوتا تھا، جلسوں میں ختم نبوت کا عنوان سرکار دوعالم، نور مجسم ﷺ کے دیگر محاسن ومحامد کے ہمراہ خوب نکھر کر سامنے آتا تھا۔ اس پس منظر میں شہر ملتان کے ایک جلسے میں خطاب کرتے ہوئے غزالی زماں علامہ کاظمی صاحب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام بغیر اذن کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں قبض روح کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو طمانچہ مار دیا، جس سے ملک الموت کی آنکھ نکل آئی، آپ نے یہ بھی

بیان کیا کہ اگر تقدیر الٰہی حائل نہ ہوتی تو بات ایک آنکھ پر نہ ٹلتی
کیونکہ حضرت موسیٰ کے طمانچے میں وہ طاقت تھی کہ ساتوں آسمان
اور ساتوں زمینیں اس کی تاب نہ لاسکتیں اور چور چور ہو جاتیں۔
اس واقعے کا اس ماحول اور عوام کے جذبات کے پیش
نظر ایسا اثر ہوا کہ سارا مجمع پھڑک اٹھا۔ نعرہ ہائے تکبیر و رسالت اور
لوگوں کے جذبات نے وہ سماں باندھا کہ عطا اللہ شاہ بخاری نے
سٹیج پر کھڑے ہو کر خود نعرے لگوائے اور بار بار کہا کہ کاظمی میرا پیر
ہے، کاظمی میرا پیر ہے" (ماہنامہ السعید ماہ نومبر ۲۰۰۲ ص ۳۶)

خدانخواستہ اگر ان کے باوجود کوئی پھر بھی یہی سمجھتا ہے کہ نبی اور غیر نبی میں کوئی فرق نہیں اور بشر ہونے کے ناتے سب کی قوتیں ایک جیسی ہیں اس نے اپنے اللہ احکم الحاکمین کے فیصلے کو کہاں تک مانا۔ اب پھر مولانا کے اس شعر کو پڑھ لیجئے

گر نہ فرزند بلیسی اے عنید !!
پس ترا میراث آں سگ چوں رسید

حق یہ ہے کہ نبی کو ماننے والا ہی دراصل اللہ کو مانتا ہے اور جو شخص نبی کی عظمت کا قائل نہیں وہ اللہ کی یکتائی اور عظمت و حکومت کا بھی منکر ہے۔

ایک نکتے کی وضاحت

قرآن پاک کی ان تصریحات اور بزرگان دین کی تشریحات کے مطابق اللہ نے اپنے نبیوں اور رسولوں (علیہم السلام) کو نہایت ہی روشن و وسیع قوتوں سے نوازا۔

اس کے باوجود بعض آیات میں اس قسم کا مضمون موجود ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ اس کا جواب آپ بہار شریعت کی عبارت میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اس سے مراد ذاتی علم غیب ہے، بیشک اللہ کے سوا کسی کا بھی علم غیب بلکہ علم بلکہ کوئی کمال ذاتی نہیں اور مخلوق جب مخلوق ہے اور اس کا وجود ذاتی نہیں تو کوئی وصف ذاتی کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہاں ہاں بندے کا کوئی کمال ذاتی نہیں اور اللہ کا کوئی کمال عطائی نہیں۔ مگر اس کا ایک اور پس منظر بھی ہے۔ وہ یہ کہ اہل عرب (بلکہ اہل عجم بھی) کاہنوں، جادوگروں اور جنوں وغیرہ کے علم غیب کے قائل تھے اور ان سے ایسے مسائل پوچھتے رہتے تھے جن کا تعلق غیب سے ہو۔ ان کے اس عقیدے کی نفی کی جا رہی ہے اور وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ عالم الغیب تو اللہ ہی ہے، کاہنوں اور ایسے دوسرے بے دینوں کو غیب کا علم کیونکر ہو سکتا ہے اللہ علم غیب کا مالک ہے، جس کو بھی علم غیب حاصل ہوگا۔ اس کے فضل سے ہوگا۔ جس کو وہ علم غیب نہیں دیتا۔ اُسے کہاں سے مل سکتا ہے۔ رہ گیا یہ سوال کہ وہ کسے دیتا ہے۔ قرآن پاک سے فیصلہ لیجئے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۝ (الجن ۔۲۶۔۲۷)

ترجمہ: غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

کتنا واضح فیصلہ ہے۔ کیا آپ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ قرآن پاک میں تضاد ہو۔ جسے ایسا شک بھی ہو، دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔ خود اس کا اعلان ہے

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ

لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النسآء۔۸۲)

ترجمہ: تو کیا غور نہیں کرتے اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو

ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

لہٰذا قطعاً ثابت ہو گیا کہ جن آیات میں اللہ کے ماسوا سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ اُس سے مراد ذاتی علم غیب ہی ہے اور جن میں اللہ کے ماسوا سے علم غیب کا اثبات کیا گیا، ان سے مراد علم غیب عطائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو علم غیب سے نوازا ہی نہیں بلکہ انہیں علم غیب کے حصول کا ذریعہ بھی بنا دیا ہے، بلکہ یہ ان کے منصب کا سب سے اہم عنوان ہے کہ وہ اپنی امت سے دنیائے غیب کا تعارف کرائیں۔ بنیادی طور پر اللہ انہیں نبیوں اور رسولوں کو علم غیب عطا فرماتا رہا، اب آگے وہ امن سے دنیا کو روشناس کراتے رہے۔ اہل ایمان کا غیب پر ایمان لانا ہی غیب ہے۔ جنت، دوزخ، حور و ملک، نعیم و عذاب قبر، عرش معلی، وحی وغیرہ سب غیب ہی تو ہیں اور خود اللہ غیب الغیب۔ تو ظاہر ہے جب تک کوئی انہیں جانے گا نہیں، کیونکر مانے گا۔ رب تعالیٰ نے متقین صرف جن کے لیے قرآن پاک ہدایت ہے، کا پہلا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (البقرہ)

ترجمہ: وہ جو غیب پر ایمان لائیں۔

کوئی بغیر وسیلۂ نبوت کے غیب سے آگاہ ہونا چاہے تو قرآن پاک

یوں جواب دیتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ

مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (آل عمران:۱۷۹)

ترجمہ: اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے، ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے (کنزالایمان)

منکرین ومنافقین نے حضور ﷺ کے علم غیب کا انکار کیا تو آیت نازل ہوئی۔ اس میں پہلے رسولوں کے علم غیب عطائی کا ذکر فرمایا اور پھر اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان کی دعوت دی۔ ظاہر ہے اس دعوت سے ثابت ہوا کہ اللہ اور رسولوں پر ایمان کا لب لباب یہ نکلا کہ اللہ کے غیب سکھانے اور رسولوں کے غیب سیکھنے پر ایمان لاؤ۔

کوئی آدمی خالی الذہن ہو کر بھی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو اس حقیقت کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جائے گا کہ نبوت کا سب سے بڑا خاصہ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی پہچان کا سب بڑا ذریعہ ان کا علم غیب ہی ہوتا ہے، اور اللہ نے انہیں اپنے علم غیب کا مظہر اسی لئے بنایا ہے کہ وہ غیبی حقائق سے پردہ اٹھائیں اور لوگ پہچان جائیں کہ واقعی یہ اللہ عالم الغیب ہی کی طرف سے آئے ہیں (جیسا کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کا وسیلہ یہی علم غیب بنا اور گذشتہ صفحات میں بھی کچھ تفصیل آچکی ہے)

منصب رسالت کے کچھ اور تقاضے

ا۔ **عصمت**: نبوت و رسالت کا امتیازی وصف اس کا وسیع علم غیب ہی نہیں، بلکہ اس کی

عصمت بھی ہے یعنی وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوتا ہے کہ دوسرا بڑے سے بڑا انسان اس پہلو میں بھی اس کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ خدانخواستہ اگر نبی کا دامن کردار بھی گناہوں سے ملوث ہو تو کسی اور کی رہبری کیونکر کر سکتا ہے۔ عیسائیت میں جہاں اور بہت سی خرابیاں ہیں، وہاں اس کا یہ عقیدہ بھی بہت خطرناک ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم نہیں ہوتے اور بائیبل میں ان کی ذات کے بارے میں ایسے ایسے گھناؤنے واقعات منسوب کیے گئے ہیں جو ان کے منصب نبوت کے ہرگز شایان شان نہیں۔ ہمیں افسوس ہے اسلام کا نام لینے والوں میں بھی بعض ایسے بیدین ہیں جو عصمت انبیاء پر ایمان نہیں رکھتے اور تو اور 'مولانا مودودی' بھی عصمت انبیاء کرام علیہم السلام کے مسئلے میں اسلام سے زیادہ عیسائیت کے قریب ہیں، چنانچہ اپنی 'تفسیر' میں بار بار انھوں نے اللہ کے معصوم پیغمبروں کے خلاف بہت کچھ زہر اگلا ہے (اگرچہ 'عیسائیت' کی 'خرافات' تک پھر بھی نہیں پہنچ سکے)

غزالی زماں حضرت مولانا سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"کم از کم اتنی بات تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس کام کے کرنے کی صلاحیت کسی میں نہ ہو وہ کام اس کو سپرد نہیں کیا جاتا۔ ایک ظالم کو کرسی عدالت پر بٹھانا، ان پڑھ آدمی کو علم و حکمت کی موشگافیوں کا کام سونپنا، کسی بدکار فاسق و فاجر کو عفیفات کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے متعین کرنا، بیمار و ناتواں کے سر پر بھاری بوجھ رکھ دینا، گم کردہ راہ سے ہدایت طلب کرنا کسی عاقل کا کام نہیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان امور کی صلاحیتوں کے بغیر اللہ تعالیٰ ان کی انجام دہی کا منصب انبیاء علیہم السلام کو سونپ

دے۔ جب یہ ممکن نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت کے ساتھ وہ تمام قوتیں اور صلاحیتیں بھی انبیاء کرام علیہم السلام کو عطا فرمائی ہیں جن کا ہونا ان کے لئے ضروری تھا اور یہی عصمت کا مفہوم ہے جس کے بغیر نبوت ایسی ہے جیسے بینائی کے بغیر آنکھ اور روشنی کے بغیر سورج! (مقالات کاظمی حصہ سوم۔ ۷۰)

ہاں ہاں یہی ہمارے نزدیک عصمت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اللہ کریم نے منصب رسالت (و نبوت) کی عظمت کو اسی انداز میں بیان فرمایا ہے۔

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ ؕ (الانعام:۱۲۴)

ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے، جہاں اپنی رسالت رکھے

یوں قرآن پاک ہی سے عصمت انبیاء کرام علیہم السلام کے بہت سے دلائل مل جاتے ہیں اور علمائے حق نے اپنی تصانیف میں ان کا حوالہ بھی دیا ہے، مگر ہمارے خیال میں اتنے الفاظ ہی حقیقت حال کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں، کیونکہ ان کی رو سے اللہ کے رسول (و نبی) اللہ کا انتخاب ہیں، جو ان پر معترض ہوتا ہے، وہ گویا اللہ کے انتخاب پر اعتراض کرتا ہے اور ظاہر ہے اس کے کفر صریح ہونے میں کوئی شک نہیں۔

۲۔ اطاعت: اللہ کے نبی اللہ کے معصوم و بے عیب نمائندے ہوتے ہیں، لہٰذا ان کی اطاعت بلاشبہ اللہ کی اطاعت ہوتی ہے بلکہ اللہ کی اطاعت کی صورت ہی یہی ہے (کہ اس کے نبی و رسول کی اطاعت کی جائے) ہاں ہاں نبی کا اطاعت گزار اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے اور اس کا نافرمان، اللہ کا باغی و نافرمان۔ قرآن حکیم نے اس نکتے کو

خوب فرمایا ہے مثلاً ایک جگہ فرمایا

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء:۶۴)

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے

بلکہ وضاحت سے دوٹوک اعلان کر دیا

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج (النساء:۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا، بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور رضا کو الگ الگ سمجھتے ہیں، وہ ان الفاظ پر غور کریں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ج وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝ (النساء:۱۵۰)

ترجمہ: وہ جو اللہ اور رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے رسولوں کو جدا کر دیں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی پر ایمان لائے اور کسی کے منکر ہوئے اور چاہتے ہیں کہ ایمان وکفر کے بیچ میں کوئی راہ نکال لیں۔ یہی ہیں ٹھیک ٹھیک کافر اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (کنز الایمان)

حقیقت یہی ہے کہ رسول کو رسول ماننے کے مفہوم میں شامل ہے کہ اسے واجب الاطاعت سمجھا اور مانا جائے۔ رسول کو رسول ماننا اور اس کی اطاعت کو لازم نہ سمجھنا بدترین منافقت اور شیطنت ہے۔ کیا آپ بھول گئے شیطان نے اللہ جل مجدہٗ کو خدا اور رب مانا مگر سجدہ آدم کے وقت اس کی اطاعت کو ضروری نہ سمجھا۔ یہی حال ابلیس زادوں کا ہے، ورنہ اگر قرآن حکیم کی صرف سورۃ الشعراء کا ہی مطالعہ کرلیا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ ہر نبی و رسول نے یہی دعوت دی کہ 'اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو'۔

اسی سورت کی آیت نمبر ۱۱۰ میں حضرت نوح علیہ السلام، آیت نمبر ۱۲۶ اور آیت نمبر ۱۳۱ میں حضرت ہود علیہ السلام، آیت نمبر ۱۴۴ اور آیت نمبر ۱۵۰ میں حضرت صالح علیہ السلام اور آیت نمبر ۱۶۳ میں حضرت لوط علیہ السلام اور آیت نمبر ۱۷۹ میں حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو انھیں دو باتوں کی تلقین فرما رہے ہیں۔ ان سب کے الفاظ یہی ہیں۔

فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ (الشعرآء)

ترجمہ: تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو

اس کے جواب میں ان کا رویہ ان کے اس جملے کی ترجمانی کرتا ہے

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ج

ترجمہ: تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو

گویا رسولوں کی دعوت کے دو ہی عنوان تھے،

۱۔ اللہ پر ایمان لاکر اس کی ناراضی سے ڈرنا۔

۲۔ اللہ کے رسول کی اطاعت۔

جنھوں نے اسلام قبول کیا، وہ متقی اور مطیع رسول بن گئے، جنھوں نے اپنے

جیسا بشر سمجھا، وہ محروم رہ گئے ایمان وتقویٰ سے بھی اور اطاعت رسول سے بھی۔

تعظیم: مندرجہ بالا نکات پر غور کریں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے جنھوں نے اللہ کے پاک انبیاء ورسل علیہم السلام کو اللہ کا رسول اور نبی نہیں مانا اور محض اپنے جیسا خاکی بشر سمجھا، وہ اسلام وایمان کی دولت سے سرفراز نہ ہوئے۔ دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے ان کا بشر ہی سمجھنا انکار ہی نہیں تھا، توہین بھی تھا، اور دراصل یہ توہین ہی ان کے کفر پر قائم رہنے اور عذاب کا مستحق ہونے کا سبب بنی۔ جن خوش نصیب لوگوں نے انھیں رسول سمجھا، انھوں نے انھیں خدا کا نمائندہ وفرستادہ سمجھ کر قبول کیا اور ظاہر ہے انسانیت بلکہ ساری مخلوق میں اس سے بڑا کوئی منصب نہیں۔ وہ اپنے اپنے رسول کو سارے انسانوں سے افضل سارے لوگوں کا شہنشاہ اور مطاع وحاکم سمجھتے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کے نزدیک جو اللہ خالقِ ارض وسما اور شہنشاہِ حقیقی کا بھیجا ہوا ہو، اللہ کے بعد وہی سب سے بڑا ہے اور وہی سب سے زیادہ قابل تعظیم ہے۔ یہی منصب خلافت کا تقاضا تھا (اور ہے)

مختصر یہ کہ جنھوں نے اللہ کے ان منتخب بندوں کو اللہ کی طرف سے مقرر کردہ رسول، نبی اور خلیفہ سمجھا انھوں نے اس منصب کے تقاضے کے طور پر ان کی باقی انسانوں سے زیادہ تعظیم بھی کی اور ایمان وعرفان سے بہرہ ور ہو کر فیض پایا اور دو جہان میں سرخرو ہو گئے۔ جنھیں وہ بشر ہی نظر آئے، وہ گستاخی وبے ادبی سے ایمان سے بھی محروم رہے اور عبرتناک عذاب میں بھی مبتلا ہوئے۔ دیکھئے جو شخص کسی کو اپنا باپ، استاد یا شیخ مانتا ہے، وہ اس کا کتنا ادب کرتا ہے۔ اگر بدقسمتی سے کوئی اپنے باپ کو باپ ہی نہیں مانتا تو اس سے ادب وتعظیم کی توقع ہی فضول ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان کا پتا ہی نبی کی تعظیم سے لگتا ہے اور ایمان اور تعظیم رسول گویا لازم وملزوم ہیں۔ جو مومن ہے ضرور اپنے نبی کا مؤدب، اور جس میں ایمان نہیں اس میں ادب بھی نہیں، پھر (نبی کا یہ) ادب دراصل خداوند کریم کا ادب ہے۔ جو نیک کام بھی اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے، وہ اللہ کی عبادت ہے۔ والدین کی تعظیم، کسی بوڑھے مومن کی توقیر، کسی مرد پارسا کا ادب، محض اللہ کو راضی کرنے کو ہو تو ظاہر ہے یہ خدا کی عبادت ہی ہے۔ اب اس اعتبار سے دیکھا جائے تو جس شخصیت کو اللہ نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے ظاہر ہے اس کے ادب واحترام سے اللہ جس قدر راضی ہوگا، کسی اور کے ادب واحترام سے خوش نہیں ہوگا اور یقیناً ایسی شخصیت کا ادب واحترام اللہ ہی کا ادب واحترام ہوگا۔

پہلے دن سے قدرت نے اس کا اہتمام کیا چنانچہ جس مقدس شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے مبعوث فرمایا اور اپنی خلافت سے نوازا، اس کی خلافت کے اعلان کے بعد فرشتوں کو سجدہ تعظیمی کا حکم دے کر اس کے ادب وتکریم کا اہتمام کرایا۔ یہ گویا امتحان تھا کہ کون خدا کے خلیفے کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔ رسل ملئکہ (یعنی وہ فرشتے جو فرشتوں میں رسالت کے درجے پر فائز تھے) ان تک نے سجدہ کیا اور یوں اپنے حلف وفاداری سے عہدہ برآ ہوئے۔ ہاں ایک جن اکڑ گیا۔ نہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ مانا اور نہ سجدہ کیا۔ خلافت آدم کی عظمت منوانے کے لئے یہ کتنا عجیب اہتمام تھا کہ گستاخی کرنے والا چپے چپے پر کی جانے والی ساری عبادت ضائع کر بیٹھا فرشتوں کا استاد سمجھا جاتا تھا، گستاخ نبی ہو کر رسوا ہوا اور لعنتوں میں گھر گیا۔ اصل میں اللہ کے خلیفے کی خلافت اور اللہ کے نبی کی نبوت کو نہ ماننا دراصل اللہ کی اپنی توہین ہے۔ آج بعض لوگ گستاخ رسول کی سزائے موت کے بارے میں چہ میگوئیاں

کرتے ہیں۔ فرمایئے شیطان کو جو ابدی لعنت کی سزا ملی، وہ زیادہ ہے یا سزائے موت۔ ہاں جب تک اللہ اور رسول و نبی میں تفریق کی جائے گی، نہ ایمان کی سمجھ آئے گی اور نہ کوئی اس سے سرفراز ہوگا۔

یہ بات کتنی عبرت انگیز ہے کہ قرآن کی روشنی میں سب سے پہلے کفر کا ارتکاب کرنے والا گستاخی رسول کی وجہ سے کافر ہوا۔ شیطان نے مردود ہو کر خدا سے مہلت مانگی اور اس نے ٹھان لی کہ اس خلیفے کی اولاد کو ضرور بہکاؤں گا۔ مردود بنانے کا آسان اور مختصر تیر بہدف راستہ یہی ہے کہ اللہ کے محبوبوں کی گستاخی کی جائے۔ شیطان نے سجدہ نہ کیا اور

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ (ص۔۸۲،۸۳)

ترجمہ: بولا تو تیری عزت کی قسم! ضرور میں ان سب کو گمراہ کردوں گا مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں (ان کے بارے میں بے بس ہوں)

خود بہکا اور گستاخ رسول ہوا، پھر بنی نوع آدم کو بہکانے پر کمربستہ ہوگیا۔ یعنی انھیں گستاخی کی شہ دینے لگا اور آدم علیہ السلام کے بارے میں جو خرافات بکی تھی، مگر اس خرافات کا پس منظر دیکھئے، رب تعالیٰ نے کیا فرمایا اور اس نے کیا جواب دیا!

قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ط أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ ۝ (ص۔۷۵)

ترجمہ: فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اس کے لیے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، کیا تجھے غرور آگیا یا تو تھا

ہی مغروروں میں۔

اس نے جواب دیا، قرآن فرماتا ہے

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ط خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ (ص۔۷۶)

ترجمہ: بولا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے (آدم علیہ السلام کو) مٹی سے پیدا کیا۔

غور فرمایئے۔ انبیاء علیہم السلام کو خاکی بشر سمجھنے کا آغاز شیطان سے ہوا۔ اب جب اس نے بنی آدم کو گمراہ کرنے کا پروگرام بنایا تو یہی عقیدہ اُس نے اپنے متبعین کو دیا۔ سورۃ الحجر میں اس کا جواب یوں مذکور ہے

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ (الحجر۔۳۳)

ترجمہ: بولا مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتی مٹی سے بنایا جو سیاہ بودار گارے سے تھی

دیکھا! اللہ نے آدم علیہ السلام کی عظمت یوں بیان کی کہ اسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، مگر شیطان کا اپنا شیطانی استدلال تھا۔

ہاں ہاں یہی بات کہ نبی بشریت میں عام بشر کی طرح ہوتے ہیں، اس نے اپنے تربیت یافتہ مردودوں کے ذہن نشین کرادی۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس نے مخلصین کو بہکا نہ سکنے کا جو اعتراف کیا، یہ دراصل وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس کے داؤ میں نہ آ کر انبیاء علیہم السلام کو عام بشر کی طرح

نہیں سمجھتے اور گستاخی و بے ادبی سے محفوظ رہ کر غلامی اور فرمانبرداری کا حق ادا کرتے ہیں۔ جب گستاخی کی یہ نحوست ہوئی، تو اس سے بھی کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ادب کی برکت کیا کچھ ہوگی۔ چنانچہ حضرت مولائے روم فرماتے ہیں۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم گشت از فضلِ رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد!

ترجمہ: (۱) ہم خدا سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں (کیونکہ) بے ادب رب کے فضل سے محروم ہو جاتا ہے۔

(۲) بے ادب اپنے آپ کو ہی 'بد' نہیں رکھتا بلکہ دنیا بھر میں (بے ادبی و گستاخی کی) آگ لگا دیتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں ہزار جادوگر آئے، مگر انھوں نے اپنے فن کا مظاہرہ کرنے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اجازت ہی طلب کی جس سے ادب کا رویہ مترشح ہوتا تھا

قرآن پاک نے ان کی اجازت طلبی کا ذکر یوں فرمایا

قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ نَّکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی ۝ (طٰہٰ ۶۵)

ترجمہ: بولے اے موسیٰ یا تو تم ڈالو یا ہم پہلے ڈالیں

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں صاحب علیہ الرحمۃ حاشیے میں لکھتے ہیں

اللہ تعالیٰ کو جادوگروں کا یہ ادب پسند آیا کہ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام پر پیش قدمی نہ کی بلکہ ادب سے اجازت چاہی۔ اس ادب کی بدولت انھیں دولت ایمان نصیب ہوئی (نور العرفان بحوالہ روح البیان و خزائن العرفان)

حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ نے بھی یہی فرمایا ہے

دریں قدر تعظیم دیں شاں راخرید

﴿نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وعلیہم وبارک وسلم کا دائرہ بعثت﴾

جن انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے حوالے سے قرآن پاک نے مقام نبوت کی عظمت و برتری کے شواہد پیش کئے ہیں، ان میں کوئی بھی ساری کائنات کا رسول نہیں تھا بلکہ ان کا دائرہ کار ایک قوم یا چند لوگوں تک تھا یہ صرف اور صرف اللہ کے آخری رسول و نبی حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو شرف حاصل ہوا کہ وہ سب کے یعنی ساری کائنات کے رسول بن کر تشریف لائے۔

جس کے گھیرے میں ہیں انبیاء و رسل

اس جہانگیر بعثت پہ لاکھوں سلام

یعنی بقول برکۃ المصطفیٰ فی دیار الہند شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی

"خدا جس کا خدا ہے حضور پرنور ﷺ اس کے رسول ہیں"

چنانچہ اس محبوب اکرم رسول اعظم ﷺ کو اپنی رسالت کا اعلان کرنے کا حکم

ہوا تو یوں نہیں کہ ایک قبیلے، ایک بستی یا ایک قوم کے لئے بلکہ سب انسانوں کے لئے اپنی بعثت کا اعلان فرماؤ۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ﰳ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الاعراف۔۱۵۸)

ترجمہ: تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمان اور زمین کی بادشاہی اسی کو ہے۔

یہاں اس آیت میں صرف انسانوں کا ذکر ہے، مگر اکثر آیات میں اس سے بھی آگے بڑھ کر العلمین کا ذکر ہے۔ مثلاً

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ ﮯ (الفرقان۔۱)

ترجمہ: بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ خاص پر کہ سارے جہاں کو ڈر سنانے والا ہو

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﮯ (الانبیاء:۱۰۷)

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔

ذرا خیال فرمایئے عیسٰی علیہ السلام صرف بنی اسرئیل کے لئے نبی بن کر تشریف لائے۔ انھیں پھونک سے بے جان پرندے اڑانے، مادرزاد اندھوں کو بینا کرنے، برص کے مریضوں کو شفا بخشنے، مردوں کو زندہ کرنے اور گھروں میں چھپی چیزوں کے اعلان و اظہار کا اذن دیا گیا، ان سے پہلے سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو جنوں، انسانوں اور پرندوں پر مشتمل کر کے انھیں جانوروں کی زبان بھی سکھائی گئی ان کو عام انسانی وہم و تصور

سے بڑھ کر قوت سماعت سے نوازا گیا کہ سینکڑوں میل سے چیونٹی کی آواز سن لیں۔ ان سے قبل ان کے والد ماجد حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ کو لوہا موم کرنے کی قوت بخشی گئی۔ ان سے بہت آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زبردست معجزات سے آراستہ کیا گیا، اور آگے حضرت یعقوب علیہ السلام کو حیرت انگیز حد تک سونگھنے کی حس مرحمت فرمائی گئی، ان سے بھی پہلے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر آتش نمرود ٹھنڈی کی گئی اور جناب نوح علیہ السلام کے گستاخوں اور دشمنوں کو غرقاب کر دیا گیا۔ اور بہت ہی پہلے ان سب کے باپ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو خلافتِ الٰہیہ سے نواز کر فرشتوں سے انھیں سجدہ کرایا گیا اور جس نے انکار کیا اسے اسی بنا پر ملعون قرار دیا گیا۔ اور خلافت کی اہلیت واضح کرنے کے لئے انھیں تمام چیزوں کے نام (بقول مفسرین تمام زبانوں میں) سکھا دیئے گئے بلکہ ان کے خواص سے بھی آگاہ کر دیا گیا تا کہ خلیفہ انھیں تصرف میں لائے اور ان سے بنی نوع انسان فائدہ اٹھائیں۔ خلافت کیا تھی، اللہ کے نائب کی حیثیت سے زمین و زمان کی حکومت۔ حضرت اقبال علیہ الرحمہ نے ایک نظم لکھی ہے بال جبریل میں، عنوان ہے، روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے۔ اس میں ایک بند ہے

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل، یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں!!
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ
سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے

دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے
ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیر خودی کر، اثرِ آہِ رسا دیکھ

بلکہ حقیقت یہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جملہ معجزات و کمالات کی بنیاد یہی خلافت ہے۔ ہر نبی اپنی اپنی شان کے لائق اللہ کا خلیفہ ہوتا ہے اور خلیفۂ ربانی ہونے کی وجہ ہی سے اسے مخصوص قوتوں سے نوازا جاتا رہا ہے۔ اب سوچئے جو محبوب اکرم اللہ کا سب سے بڑا رسول، سب سے بڑا خلیفہ اور ساری کائنات کی طرف اس کا رسول ہے، اس کی قوتوں، سطوتوں، عظمتوں، رفعتوں، شوکتوں، دولتوں اور صولتوں کا کون اور کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ جو ارض و سما کی رونقوں کی غایت عرش و فرش کی زینتوں کا سبب، جن و بشر کی تخلیق کا مقصد اور حور و ملک کی اطاعتوں کا قبلہ ہو، اس کے رتبۂ عالی کو کون سمجھ سکتا ہے، جو وجہ تخلیق بھی، اصل تخلیق بھی اور شاہکار تخلیق بھی ہو، اس کے حسن و جمال کی تجلیوں کو کون برداشت کر سکتا ہے۔ جو نبیوں کا نبی، رسولوں کا رسول، جبریل کا خواجہ، عزرائیل کا داتا، میکائیل کا مولا، اسرافیل کا آقا، معراج کا دولہا اور جنت کا نوشہ ہو، اس کے آگے کون دم مار سکتا ہے۔ جو قدرت کی شان، رحمت کی جان، فطرت کی آن، فضیلت کی کان اور آدم علیہ السلام کا مان اور خلیل اللہ علیہ السلام کا ارمان ہو اس کا ثانی کیونکر ممکن ہو۔ جو مطلع عرفان، منبع احسان، مہبط قرآن، مرجع ایقان، حاصل ایمان بلکہ اللہ کی برہان ہو، اس کی ہمسری کا کیا امکان ہے؟۔ جو سرورِ کون و مکاں، باعث این و آں، سرچشمۂ دو جہاں، مالک خلد و جناں، محور کن فکاں شہنشاہ عرش آستاں اور مالک

دو جہاں (باذنِ خالق دو جہاں) ہو، اس کی مشیت کا دعوی کیونکر ادا ہو سکتا ہے، جو حسن ہی حسن، نور ہی نور، فضل ہی فضل، جود ہی جود، عطا ہی عطا اور سخا ہی سخا ہو، کون اس سے بے نیاز رہ سکتا ہے۔ جو معنی لولاک ہو، سائر افلاک ہو، ماہ عاشق جگر چاک ہو، مہر جس کا بستہ فتراک ہو، مسیحا جس کے شہر کی خاک ہو، جو برتر از عقل وادراک ہو، اس کا مثیل کون ہو۔ جو پیکرِ کمال، مرکزِ جمال، مشرق جلال اور معدن نوال ہو، اس کی مثل کہاں ہو۔ کنکریاں جس کا کلمہ پڑھیں، پتھر جسے سلام کہیں، درخت جس کے اشارے پر چلیں، خشک لکڑیاں جس کے ہجر میں روئیں، پہاڑ جس کی قدم بوسی کر کے جھومیں، جانور جس سے فریاد کریں، بادل جس کا سائبان بنیں، فرشتے جس کا پہرا دیں، اس کے جواب کا کیا سوال ہو؟

اللہ کے خلیفہ اعظم ﷺ کی رفعت شان

غرض اب تک آپ نے منصب رسالت ونبوت کے حوالے سے نبیوں اور رسولوں کی عظمت کے نہایت ہی نمایاں پہلوؤں کا مطالعہ کیا، یقیناً اللہ کے ان پاک اور عظیم الشان محبوبوں کی عظمت کے ساتھ دوسروں کو کوئی نسبت ہی نہیں، مگر یاد رہے جو تعلق امتوں کو اپنے نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ہے، وہی ان پاک ومعصوم پیغمبروں کو اپنے آقا ومولا، سردار وسالار، امام ومقتدیٰ، حضور احمد مجتبےٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے ساتھ ہے، یعنی نبی ورسول اپنے امت کے نبی ورسول ہیں تو ہمارے نبی ورسول ان نبیوں کے بھی نبی اور رسولوں کے بھی رسول ہیں، صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وبارک وسلم، جس طرح امت پر اپنے نبی ورسول کی اطاعت واجب ہے، یونہی حضور ﷺ کسی بھی نبی ورسول علیہ السلام کے زمانے میں مبعوث ہو جاتے تو ان پر اس وجہ وجیہ کائنات، خلاصہ

موجودات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات کی اطاعت واجب ہوتی۔

مقصود ذات اوست دگر جملگی طفیل
مطلوب نور اوست دگر جملگی ظلام

اور یہ نکتہ اہم ہے کہ خالق کائنات نے ازل میں تمام انبیاء علیہم السلام سے جب وہ ابھی عالم ارواح میں جلوہ گر تھے، یہ عہد لیا، قرآنی الفاظ میں اس تقریب حلف وفا داری کی نقشہ کشی دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ
وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ
وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ
قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝
فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

(آل عمران: ۸۱-۸۲)

ترجمہ: اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے اُن کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو ضرور بر ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا، کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا، فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

تو جو کوئی اس کے بعد پھرے تو وہی فاسق ہیں۔ (کنزالایمان)

اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہ نے اس آیت مقدسہ کے ضمن میں حضرت امیرالمومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا درج ذیل ارشاد بحوالہ تفسیر طبری نقل فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک جتنے انبیاء بھیجے، سب سے محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں عہد لیا کہ

لَئِنْ بُعِثَ وَهُوَ حَيٌّ لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ وَلَيَنْصُرَنَّهٗ وَيَاْخُذَ الْعَهْدَ بِذٰلِكَ عَلٰى قَوْمِهٖ

ترجمہ: اگر یہ (یعنی حضور ﷺ) اس نبی کی زندگی میں مبعوث ہوں تو وہ ان پر ایمان لائے اور ان کی مدد کرے اور اپنی امت سے اس مضمون کا عہد لے (تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین)

پھر اعلیٰحضرت قدس سرہ نے ابن عساکر کے حوالے سے حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد بھی نقل فرمایا ہے (صرف ترجمہ ملاحظہ ہو)

"ہمیشہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے بارے میں آدم اور ان کے بعد سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے پیشگوئی فرماتا رہا اور قدیم سے سب امتیں حضور ﷺ کی تشریف آوری کی خوشیاں مناتی اور حضور ﷺ کے توسل سے فتح مانگتی رہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بہترین امت، بہترین زمانے، بہترین اصحاب اور بہترین شہر میں ظاہر فرمایا"

اور اس کی تصدیق قرآن عظیم میں ہے

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكٰفِرِينَ ○

ترجمہ: (اس نبی کے ظہور سے) پہلے کافروں پر اس کے وسیلہ سے فتح چاہتے۔ پھر جب وہ جانا پہچانا ان کے پاس تشریف لایا، منکر ہو بیٹھے تو خدا کی پھٹکار منکروں پر

علماء فرماتے ہیں جب یہود مشرکوں سے لڑتے، دعا کرتے

اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلَيْهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوثِ فِي اٰخِرِ الزَّمَانِ الَّذِي نَجِدُ صِفَتَهُ فِي التَّوْرٰاةِ

ترجمہ: الٰہی ہمیں مدد دے ان پر، صدقہ اس نبی آخر الزماں کا جس کی نعت ہم توریت میں پاتے ہیں۔

اس دعا سے انھیں فتح دی جاتی۔ اسی بیان الٰہی کا سبب ہے کہ حدیث میں آیا، حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ اَنَّ مُوسٰى كَانَ الْيَوْمَ مَا وَسِعَهُ اِلَّا اَنْ يَّتَّبِعَنِي

ترجمہ: قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، آج اگر موسیٰ دنیا میں ہوتے میری پیروی کے سوا ان کو کچھ گنجائش نہ ہوتی (احمد، داری، بیہقی، ابونعیم)

.....امام علامہ تقی الملۃ والدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے

اس آیت کی تفسیر میں ایک نفیس رسالہ اَلتَّعْظِیْمُ وَالْمِنَّۃُ فِیْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَ لَتَنْصُرُنَّہٗ لکھا اور اس میں آیت مذکورہ سے ثابت فرمایا کہ ہمارے حضور صلوۃ اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہ سب انبیاء کے نبی ہیں اور تمام انبیاء و مرسلین اور ان کی امتیں سب حضور کے امتی، حضور کی نبوت و رسالت زمانہ سیدنا ابو البشر علیہ الصلوۃ والسلام سے روز قیامت تک جمیع خلق اللہ کو شامل ہے اور حضور کا ارشاد

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃُ قَالَ اٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ (مشکوۃ بحوالہ ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ: آپ کے لئے نبوت کب ثابت ہوئی۔ فرمایا، جب حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اپنے معنی حقیقی پر ہے۔ اب آیئے پھر اس آیت کی طرف جس میں حضور پرنور ﷺ کے بارے میں انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لینے کا ذکر ہے۔ یاد رہے اس سے پہلے اللہ ذوالجلال نے بنی آدم کی سب ارواح سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا، مگر کس انداز میں قرآن پاک فرماتا ہے

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَ اَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ ج اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ط قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ ۝ (الاعراف۔۱۷۲)

ترجمہ: اور اے محبوب یاد کرو جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی

پشت سے ان کی نسل نکالی اور انہیں خود ان پر گواہ کیا، کیا میں تمہارا
رب نہیں سب بولے کیوں نہیں، ہم گواہ ہوئے کہ کہیں قیامت
کے دن کہو کہ ہمیں اس کی خبر نہیں تھی۔

گویا ایک سادہ سے انداز میں اپنی ربوبیت کا اقرار لیا اور جلسہ برخاست ہو گیا۔

یہ گویا توحید کا اقرار تھا جو نبی اور غیر نبی سب سے لیا گیا۔ مگر اپنے محبوب مکرم ﷺ پر ایمان و نصرت کا عہد لینے کے لئے سب کو اکٹھا نہیں کیا گیا، بلکہ صرف انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو، اور پھر ان سے بھی سیدھا سادا اقرار لے کر بات ختم نہیں کر دی گئی بلکہ تاکید بر تاکید کا اہتمام کر کے اپنے محبوب اعظم و اتم ﷺ کی عظمتِ یکتا کا اعلان کیا گیا۔ ذرا تفصیل ملاحظہ ہو۔

انبیاءِ کرام علیہم السلام سب معصوم ہیں۔ ان سے وعدہ خلافی کا امکان ہی نہیں اور پھر اللہ جل جلالہ کے ساتھ اُن کا جو محبت و اطاعت کا خصوصی تعلق ہے کسی دوسرے کے بس میں نہیں۔ اس پس منظر میں ان سے یہ حکم ہی کافی تھا کہ جب نبی اعظم و خاتم ﷺ ان کے دور میں جلوہ گر ہو جائیں تو یہ حضرات ایمان لا کر اُن کی مدد کریں۔ مگر طرح طرح کی تاکید سے اتنی سی بات کو از حد اہم، پر زور و موکد بنا دیا۔

پہلی بات تو یہی ہے کہ حکم دینے کی بجائے ان سے عہد لیا گیا۔

دوسری بات یہ کہ پھر اس عہد کو لام قسم کے ساتھ موکد بنا دیا (یعنی فرمایا لتؤمنن بہ ولتنصرنہ) جس طرح بادشاہوں کی بیعت کے سلسلے میں نوابوں سے قسمیں لی جاتی ہیں

تیسری اور چوتھی بات نون تاکید اور وہ بھی ثقیلہ (تاکید دوگنی ہو جائے)

پانچویں ابھی انبیاء کرام علیہم السلام جواب بھی نہ دینے پائے تھے کہ پہلے خود ہی فرمادیا ءَ اَقْرَرْتُمْ کیا تم نے اقرار کرلیا (حالانکہ ارشاد الٰہی کی موجودگی میں ان سے اقرار نہ کرنے کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی)

چھٹی بات یہ مزید قوت بھرنے کے لئے فرمایا وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ خالی اقرار نہیں بلکہ اس پر میرا بھاری ذمہ لو۔

ساتویں بات یہ کہ عَلَیْہَا عَلٰی ھٰذَا نہیں کہ ان میں اشارہ قریب ہے اسے عَلٰی ذٰلِکُمْ فرما کر اشارہ بعید سے معاملے کی عظمت واہمیت مزید واضح فرمادی۔

آٹھویں بات یہ کہ فَاشْھَدُوْا فرمایا یعنی سوایک دوسرے پہ گواہ ہو جاؤ' حالانکہ ان کے مکرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

نویں بات یہ کہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہی کو ایک دوسرے پر گواہ نہ بنایا گیا بلکہ فرمایا وانا مَعَکُمْ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں۔

دسویں یہ بات کہ باوجود اس کے خود انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو عصمت عطا فرمائی، یہ بھی فرمایا گیا

فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

یعنی اب جو اس اقرار سے پھرے گا، فاسق ٹھہرے گا۔

فرشتوں سے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے بارے میں ایسا ہی ارشاد فرمایا تھا۔

وَمَنْ یَّقُلْ مِنْھُمْ اِنِّیْٓ اِلٰہٌ مِّنْ دُوْنِہٖ فَذٰلِکَ نَجْزِیْہِ جَھَنَّمَ ط
کَذٰلِکَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ○

ترجمہ: اور جو ان میں سے کہے گا میں اللہ کے سوا معبود ہوں، اسے ہم

جہنم کی سزا دیں گے، ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ظالموں کو۔

ظاہر ہے فرشتے بھی معصوم ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام بھی، اور کوئی معصوم اپنے رب کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتا، مگر اپنی توحید کی عظمت اور اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی وجاہت اور جلالت شان کو نمایاں اور ذہن نشین کرانے کے لئے اس سے زیادہ موثر طریقہ کیا ہو سکتا تھا۔ یعنی اگر بفرض محال معصومین بھی اس معصوم اعظم اور محبوب اکرم ﷺ کی بارگاہ سے سرتابی کریں تو 'فسق' کا فتویٰ ان پر بھی عائد ہوگا۔ جب انھیں یہ تاکید ہے تو دوسروں کو اس کا خیال رکھنا کتنا ضروری ہوگا۔ ہاں ہاں سچ فرمایا حضرت عزت بخاری علیہ الرحمہ نے

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

اگر اس میثاق انبیاء علیہم السلام والی آیت کو سامنے رکھیں تو اس شعر کو یوں بھی پڑھا جا سکتا ہے

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید کلیم و ہم خلیل اینجا!

یہ کتنی حسین حقیقت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جہاں حضور ﷺ کا نائب و معاون بنایا گیا، وہیں خاص طور پر انھیں آپ کی تشریف آوری کی پیش گوئیاں کرنے پر بھی مامور کیا گیا اور انھیں اس محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تعظیم و توقیر اور محبت و اطاعت کی اہمیت سمجھانے کی ہدایت بھی کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ پہلی امتوں کے لوگ حضور پرنور ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے ہی اپنے مدمقابل کافروں پر فتح کی دعائیں مانگا

کرتے تھے بلکہ آپ کے نام پاک کی تعظیم سے مرادیں بلکہ بخشش تک پایا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان اوپر گزرا۔ اب اپنے آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وجاہت کا جلوہ مزید وضاحت سے دیکھنے کے لئے ایک اور روایت ملاحظہ ہو۔ اسے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے اسی تجلی الیقین میں اس طرح نقل فرمایا ہے۔

"علامہ فاسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں چند آیات توریت نقل فرمائیں جن میں حق سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

یَا مُوْسٰی اَحْمَدُ نَبِیٌّ اِذَا اَمَنَنْتُ عَلَیْکَ مَعَ کَلَامِیْ اِبَّاکَ بِالْاِیْمَانِ بِاَحْمَدَ وَلَوْلَمْ تَقْبَلْ بِاَحْمَدَ مَاجَاوَرْتَنِیْ فِیْ دَارِیْ وَلَا تَنَعَّمْتَ فِیْ جَنَّتِیْ یٰمُوْسٰی مَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِاَحْمَدَ مِنْ جَمِیْعِ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَمْ یُصَدِّقْهُ وَلَمْ یَشْتَقْ اِلَیْهِ کَانَتْ حَسَنَاتُهٗ مَرْدُوْدَۃً عَلَیْهِ وَمَنَعْتُهٗ حِفْظَ الْحِکْمَۃِ وَلَا اَدْخُلُ فِیْ قَلْبِهٖ نُوْرَ الْهُدٰی وَ اَمْحُوْ اِسْمَهٗ مِنَ النُّبُوَّۃِ یٰمُوْسٰی مَنْ اٰمَنَ بِاَحْمَدَ وَصَدَّقَهٗ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ وَمَنْ کَفَرَ بِاَحْمَدَ وَکَذَّبَهٗ مِنْ جَمِیْعِ خَلْقِیْ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ اُولٰٓئِکَ هُمُ النَّادِمُوْنَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ

ترجمہ: اے موسیٰ! میری حمد بجالا جب کہ میں نے تجھ پر احسان کیا کہ اپنی ہمکلامی کے ساتھ تجھے احمد پر ایمان عطا فرمایا اور اگر تو احمد پر ایمان نہ لائے اور اس کی تصدیق نہ کرے اور اس کا مشتاق نہ ہو، اس

کی نیکیاں مردود ہوں گی اور اسے حکمت کے حفظ سے روک دوں گا اور اس کے دل میں ہدایت کا نور نہ ڈالوں گا اور اس کا نام دفتر انبیاء سے مٹا دوں گا۔ اے موسیٰ جو احمد پر ایمان لائیں اور اس کی تصدیق کریں وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے اور میری تمام مخلوق میں جنھوں نے احمد کا انکار کیا اور اس کی تکذیب کی وہی ہیں زیاں کار، وہی ہیں پشیمان، وہی ہیں بے خبر

اب سنئے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا خطبہ، قرآن پاک میں ہے

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ط فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ (الصف۔٦)

ترجمہ: اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے، ان کا نام احمد ہے۔ پھر جب احمد ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تشریف لائے۔ بولے یہ کھلا جادو ہے۔

یہ ہے قرآن پاک کی تصریح کہ جناب مسیح علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ ان کے ذمے دو عظیم کام ہیں، ایک توراۃ مقدس کی تصدیق، دوسرا حضور سید عالم احمد مجتبےٰ ﷺ

کی بشارت۔ بشارت کہتے ہیں خوشخبری کو گویا حضور محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء والصلوۃ علیہ والسلام کی تشریف آوری کی خبر ایسی خبر ہے جس سے ساری دنیا خوش ہوں، خبر دینے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایسے خوش ہیں کہ اس خوشخبری کو اپنے لئے وجہ امتیاز سمجھتے ہیں اوران کے بھیجنے والا خالق اور قادر مطلق بھی خوش ہے یہ خبر کس انداز میں دی گئی، اس سلسلے میں انجیل برنباس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یادرہے کہ عیسائیوں میں مروج انجیلیں بہت بعد میں لکھی گئیں اوران میں کسی ایک کا مصنف بھی حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت سے مشرف نہیں ہوسکا۔ پھران انجیلوں میں جو تحریفات کی جاتی رہیں، وہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہیں۔ ان کی حیثیت ایک بے ثبوت اور بے سند تحریروں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ البتہ حضرت برنباس حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے صحابی ہیں رضی اللہ عنہ اور نہایت حساس قسم کے مبلغ۔ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے خودان پر اعتماد بھی فرمایا اور تبلیغ دین کے منصب پر فائز فرمایا۔ مقتدر عیسائی رہنماؤں نے اللہ کے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (معاذ اللہ) اللہ کا بیٹا اور اللہ کی پیکر اخلاص بندی حضرت مریم صدیقہ رضی اللہ عنہا کو معاذ اللہ اللہ کی بیوی بنانے کا ناپاک پروگرام بنایا تو بہت سی انجیلوں کو صفحہ ہستی سے غائب کردیا گیا۔ یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہے کہ حضرت برنباس کے جمع کردہ مواعظ مسیحا کسی نہ کسی شکل میں بہت حد تک محفوظ رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ کی نازل کردہ انجیل نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ اللہ کے پیغمبر علیہ السلام کے فرمودات کا ترجمہ در ترجمہ بہت حد تک ضرور ہے، آیئے اس کا ایک پیارا اقتباس ملاحظہ کریں اوراپنا ایمان تازہ کریں

I Therefore say unto you that

the messenger of God is a splendour that shall give gladness to nearly all that God hath made, for he is adorned with the spirit of understanding and of counsel, the spirit of wisdom and might, the spirit of fear and love, the spirit of prudence and temperance, he is adorned with the spirit of charity and mercy, the spirit of justice and piety, the spirit of gentleness and patience, which he hath received from God three times more than he hath given to all his creatures. O blessed time when he shall come to the world! Believe me that I have seen him and have done him reverence, even as every prophet hath seen him: seeing that of his spirit God giveth to them prophecy. And when I saw him my

soul was filled with consolation, saying; O Muhammad, God be with thee, and may He make me worthy to untie thy shoelatchet, for obtaining this I shall be a great prophet and holy one of God. And having said this. Jesus rendered his thanks to God. (XLIV)

ترجمہ: پس میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کا رسول ایک ایسی آب و تاب ہے جو تقریباً اللہ کی ساری مخلوق کو مسرت سے ہمکنار کر دے گا کیونکہ وہ فہم و ذکا اور صلاح و مشورت کی روح سے، عقل و قوت کی روح سے خوف و محبت کی روح سے اور ہوشمندی و اعتدال کی روح سے آراستہ ہے۔ نیز وہ جود و سخا اور رحم و کرم کی روح سے، عدل و تقویٰ کی روح سے، شرافت و استقامت کی روح سے پیراستہ ہے جو اسے خدا نے تمام مخلوقات سے تین گنا زیادہ عطا فرمائی ہیں۔ کیا مبارک ہے وہ وقت جب وہ دنیا میں تشریف لے آئے گا۔ یقین کیجئے میں نے اس کا دیدار کیا اور اس کی تعظیم کی ہے جیسا کہ ہر نبی علیہ السلام نے بھی اس کی زیارت کی ہے۔ اسی زیارت کی برکت ہے اور اسی روح اعظم ﷺ کے دیدار کی

برکت ہی کی بنا پر خدا نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور دیدار کرتے ہی میری روح سکون و اطمینان سے معمور ہوگئی۔ اس وقت میں یہ عرض کر رہا تھا "یا محمد خدا تیرے ساتھ رہے اور وہ مجھے اس قابل بناوے کہ تیرے مبارک جوتے کا تسمہ کھول سکوں۔ اگر یہ شرف مجھے مل گیا تو میں خدا کا عظیم پیغمبر اور عبد مقدس بن جاؤں گا۔ یہ دعا کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا کا شکر ادا کیا۔

(انجیل برنباس باب ۴۴)

اس قسم کی بیشمار روایات مختلف کتابوں میں مل جاتی ہیں چند وہابیوں نے حضور پرنور ﷺ کے سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام ہونے کا انکار کیا تو اعلیحضرت بریلوی قدس سرہ نے آیات و روایات کی روشنی میں حضور ﷺ کے سید المرسلین ہونے کی وضاحت کی اور کتاب کا نام "تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین" رکھا۔ حضرت مولانا محمد ضیاء القادری کی کتاب "الانوار المحمدیہ" میں حضور ﷺ کی بے مثل عظمت و شان کے لاجواب شواہد پیش کیے گئے ہیں حتیٰ کہ مختلف مذاہب کی مذہبی کتب سے سرکار دو عالم ﷺ کی تشریف آوری کی پیشگوئیاں اور عظمت یکتا کی گواہیاں درج کی گئی ہیں جن میں اہل کتاب کے علاوہ پارسیوں اور ہندوؤں تک کے مذہبی ادب سے بھی اقتباسات لئے گئے ہیں۔ کتنی عجیب حقیقت ہے کہ کاہنوں اور جادوگروں وغیرہ کی یوں تو اکثر باتیں غلط ہوتی ہیں مگر ان کی جن پیشگوئیوں کا تعلق حضور پرنور ﷺ کی تشریف آوری اور عظمت و یکتا سے ہوتا تھا، ان میں کوئی غلط نہیں ہوتی تھی، ایسا کیوں نہ ہوتا، بزم ہستی کا ہر گوشہ حضور ﷺ کے نور سے تاباں اور کتاب

کائنات کا ہر ورق حضور پر نور ﷺ کی ذات ہی سے تو معنون ہے لیجئے، اس مقصود کائنات ﷺ کے بارے میں اس کے پیدا فرمانے والے اللہ کا ارشاد سن لیجئے جس میں خطاب بھی اسی محبوب اکرم ﷺ سے ہے۔ (اور یہ اس کا صرف آخری جملہ ہے)

وَلَقَدْ خَلَقْتُ الدُّنْيَا وَ اَهْلَهَا لِاُعَرِّفَهُمْ كَرَامَتَكَ وَ مَنْزِلَتَكَ عِنْدِيْ وَلَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا

ترجمہ: اور بیشک میں نے دنیا اور اہل دنیا کو اس لئے بنایا کہ جو عزت و منزلت تمھاری میرے نزدیک ہے، ان پر ظاہر کروں، اگر تم نہ ہوتے تو میں دنیا کو نہ بناتا (تجلی الیقین بحوالہ ابن عساکر)

حضور ﷺ کے ذکر خیر کا مخصوص و منفرد انداز

ا۔ تقدیم ذکر: اس میں کیا شک ہے کہ حضور پر نور ﷺ خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم السلام ہیں اور سب انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے آخر میں تشریف لائے ہیں، مگر اللہ جل مجدہ جب ایک ہی آیت میں بعض انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر فرماتا ہے تو حضور پر نور ﷺ کا ذکر گرامی پہلے اور پھر دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر فرماتا ہے۔ دیکھئے

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ص وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا o (الاحزاب۔۷)

ترجمہ: اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے

ان سے گاڑھا عہد لیا۔

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب علیہ الرحمہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں

"پہلے اجمالاً جملہ انبیاء کا ذکر فرمایا، بعد میں چند اولوالعزم رسولوں کے نام کی تصریح کر دی۔ جو صاحب کتاب اور صاحب شریعت تھے۔ ان میں سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمایا تا کہ حضور کی عظمت و شوکت کا اظہار ہو جائے نیز اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اگرچہ حضور کی بعثت تمام انبیاء کے بعد ہوئی، لیکن تخلیق میں اولیت کا شرف حضور فخر الاولین والآخرین کو ہی حاصل ہے۔"

چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ سے جب آیت کا مطلب پوچھا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا

كُنْتُ اَوَّلَهُمْ فِي الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ

یعنی پیدائش میں میں سب سے پہلے تھا اور بعثت میں سب نبیوں کے بعد (ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۶)

تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری اور تفسیر خزائن العرفان میں بھی حضور پر نور ﷺ کے ذکر خیر کی اولیت سے آپ کی افضلیت کا مضمون نکالا گیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر کا یہ جملہ یاد رکھنے کے قابل ہے

فَبَدَأَ فِي هٰذِهِ الْاٰيَةِ بِالْخَاتَمِ لِشَرَفِهٖ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ثُمَّ رَتَّبَهُمْ بِحَسَبِ وُجُوْدِهِمْ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ

ترجمہ: اس آیت میں سب سے پہلے خاتم النبیین کا ذکر آیا اس

لئے حضور ﷺ ہی سب سے اشرف واکرم ہیں

پھر دوسرے انبیاء کا ذکر ان کے زمانے کے مطابق ترتیب وار کیا گیا (علیہم الصلوات)

۲۔ خطاب کا انداز: قرآن حکیم کی کثیر آیات گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس محبوب نبی علیہ السلام سے بھی خطاب فرمایا، نام لے کر فرمایا یاٰدم اسکن انت و زوجک الجنۃ، اسی طرح یٰنُوحُ ، یٰاِبْرٰھِیْمُ ، یٰعِیْسٰیٓ ، یٰزکریا ، یٰیَحْیٰی مگر اپنے حبیب اعظم واکرم ﷺ کو ہمیشہ اوصاف جلیلہ والقاب جمیلہ سے خطاب فرمایا مثلاً یا ایھا النبی (اے نبی) یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ (اے رسول) یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ (اے کپڑا اوڑھے لپٹنے والے)، یاایھا المدثر (اے جھرمٹ مارنے والے) یٰسٓ (اے سردار)، طٰہٰ (اے پاکیزہ رہنما)

خدا نے اپنے پیارے کو پکارا جس طرح چاہا
وہ مزمل ، وہ مدثر ، وہ یٰسٓ اور وہ طٰہٰ

(حفیظ جالندھری)

مولانا جامی نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے

یاٰدم است باپدر انبیا خطاب
یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ خطاب محمد ﷺ است

"امام عز الدین بن عبد السلام وغیرہ علمائے کرام فرماتے ہیں بادشاہ جب اپنے تمام امراء کو نام لے کر پکارے اور اُن میں ایک خاص مقرب کو یوں ندا فرمایا کرے اے مقرب حضرت! اے نائب سلطنت! اے صاحب عزت! اے سردار مملکت تو کیا کسی طرح محل ریب و شک باقی رہے گا کہ یہ بندہ

بارگاہ سلطانی میں سب سے زیادہ عزت و وجاہت والا اور سرکار سلطانی کو تمام عمائد و اراکین سے بڑھ کر پیارا ہے"

فقیر غفر اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ خصوصا یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ اور یایھا المدثر تو وہ پیارے خطاب ہیں جن کا مزہ اہل محبت ہی جانتے ہیں۔ ان آیتوں کے نزول کے وقت سید عالم ﷺ بالا پوش اوڑھے جھرمٹ مارے لیٹے تھے، اسی وضع و حالت سے حضور کو یاد فرما کر ندا کی گئی، بلا تشبیہ جس طرح سچا چاہنے والا اپنے پیارے محبوب کو پکارے اوبانکی ٹوپی والے۔۔۔(تجلی الیقین)

مزید غور فرمایئے گذشتہ قوموں کے منکرین اپنے نبیوں کو نام لے کر پکارتے تھے تو ان کے اس انداز ندا و خطاب کو قرآن پاک نے اسی طرح بیان کیا مگر اللہ کے محبوب اعظم ﷺ کے دشمن جو گستاخانہ انداز میں نام لے کر پکارتے تھے، اسے بیان بھی نہ فرمایا، ہاں اگر انھوں نے اچھے وصف سے پکارا اگر چہ بطور مذاق کے طور پر ہی سہی، اس کا ذکر فرما دیا مثلاً

قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ

ترجمہ: بولے اے وہ جس پر ذکر نازل ہوا

بلکہ پہلی امتوں کے مومن بھی اپنے نبیوں کو نام لے کر پکارتے تھے اور یموسیٰ، یعیسیٰ ہی کہتے تھے (جیسا کہ قرآن پاک میں کئی دفعہ ان کا انداز مذکور ہے) مگر اللہ جل جلالہ نے اپنے حبیب اعظم ﷺ کی امت کو اس طرز خطاب سے روک دیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا

(النور_۶۳)

ترجمہ: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں
ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

عام مفسرین کے قول کے مطابق پہلے یا محمد اور یا ابا القاسم کہہ لیتے تھے، اس سے روک کر سمجھایا گیا کہ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ، کہا کرو، پھر بھی اگر بعض روایات میں 'یا محمد' وارد ہے تو اس سے مقصود نام پاک نہیں ہوتا بلکہ معنی وصفی مراد ہوتا ہے۔ یعنی یہاں 'یا محمد' کا معنیٰ ہے اے وہ ذات جس کی زیادہ سے زیادہ تعریف کی جائے اور تعریف کا حق پھر بھی ادا نہ ہو۔ چونکہ سب اس نکتے سے آگاہ نہیں ہوتے لہٰذا ادب واحترام کے تقاضے سکھانے کے لئے نہ خود یہ طرز اختیار کیا گیا نہ دوسروں کو اس پر چلنے کی اجازت دی گئی۔ بلکہ حضور پر نور ﷺ کے صدقہ میں اس امت مرحومہ کا خطاب بھی پہلی امتوں سے ممتاز ٹھہرایا گیا۔ اگلی امتوں کو اللہ تعالیٰ نے یَاَیُّهَا الْمَسٰکِیْنُ فرمایا کرتا، مثلاً توریت مقدس میں جابجا یہی لفظ ارشاد ہوا ہے (ابن ابی حاتم وخصائص کبریٰ) مگر اس امت کو یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرمایا گیا ہے۔

۳: کافروں کی ہرزہ سرائی کا جواب: قرآن پاک گواہ ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے کفار بدتمیزی سے پیش آتے اور گستاخانہ کلام واعتراض کرتے تو وہ حضرات خود اس کا جواب دیتے مثلاً حضرت نوح علیہ السلام سے کفار نے کہا

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ٥
بیشک ہم تمہیں کھلا گمراہ سمجھتے ہیں

اس کا جواب خود حضرت نوح علیہ السلام نے دیا

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

ترجمہ: اے میری قوم مجھے گمراہی سے کچھ تعلق نہیں میں تو رب العلمین کی طرف سے رسول ہوں

بالکل یہی صورت حال حضرت ہود، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ علیہم السلام اور دوسرے انبیاء کرام کے بارے میں ہے۔

مگر اللہ کے محبوب و مطلوب اعظم و اکرم ﷺ کا معاملہ اور ہے اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ اب اگر گستاخ و بے ادب کفار بدتمیزی کرتے ہیں تو اس کا جواب حضور انور ﷺ خود نہیں، بلکہ ان کا خالق و مالک اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے۔ بلکہ یوں لگتا ہے کہ جیسے غضب الٰہی پورے جوش پر ہے اور ان کی مختصری گستاخی کا جواب بھی کئی گنا تفصیل سے ہوتا ہے، اور پھر اس جواب کا آغاز اکثر قسم سے ہوتا ہے مثلاً

ا: قرآن فرماتا ہے

وَقَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ (الحجر۔٦)

کافر بولے اے وہ جس پر قرآن اترا، بیشک تو مجنون ہے

اس کا جواب اللہ نے دیا اور آغاز یوں فرمایا

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝ مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (القلم۔٢،١)

ترجمہ: قلم اور ان کے لکھے کی قسم تو تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں

اس کے بعد حضور ﷺ کے اجر غیر محدود کا ذکر، پھر خلق عظیم کا بیان وغیرہ اور پھر خصوصی گستاخ کی اور اس کی بدکرداری اور بداصلی کے حوالے سے مذمت۔ گویا چند

الفاظ کا جواب آیات میں دیا گیا۔

۲۔ وحی اترنے میں جو کچھ دنوں دیر لگی تو کافر بولے

اِنَّ مُحَمَّدًا وَّدَعَهٗ رَبُّهٗ وَقَلَاهُ ۝

(یعنی بیشک محمد ﷺ کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور دشمن پکڑا)

اس کے جواب میں پوری سورۃ الضحیٰ نازل فرمادی اور آغاز

وَالضُّحٰى ۝ وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝

یعنی قسم ہے دن چڑھے کی اور قسم رات کی جب اندھیری ڈالے (یا قسم اے محبوب تیرے روئے روشن کی اور قسم تیری زلف کی جب چمکتے رخساروں پر بکھر کر آئے) نہ تجھے تیرے رب نے چھوڑا اور نہ دشمن بنایا

پھر باقی سورت میں حضور پر نور ﷺ پر اللہ کے ان احسانات کا ذکر ہے جو ماضی میں ہوئے، حال میں ہو رہے ہیں اور آئندہ ہوں گے۔

۳: کفار نے کہا لَسْتَ مُرْسَلًا (تو رسول نہیں)، حق تعالیٰ نے جواباً فرمایا

یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (یٰس: ۱تا۴)

ترجمہ: یٰس، حکمت والے قرآن کی قسم، بیشک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو۔

۴: کفار نے حضور پر نور ﷺ کو شاعری کا عیب لگایا۔ جواب دیا گیا

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝

(یٰس: ۶۹)

ترجمہ: اور نہ ہم نے انھیں شعر کہنا سکھایا اور نہ وہ ان کے لائق تھا۔

وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن

۵: حضور پر نور ﷺ کے صاحبزادے کا وصال ہو گیا تو عاص بن وائل شقی نے 'ابتر' کی پھبتی کسی، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکوثر نازل فرمادی اور اپنے محبوب اکرم ﷺ کو کوثر کا مالک ٹھہرایا جہان بھر کی خوبیوں سے نوازنے کا اعلان فرمایا نیز یہ بھی واضح کر دیا کہ ابتر تو وہ ہے جو اس جانِ خوبی ﷺ کا دشمن ہے۔ چنانچہ اس کے اپنے دونوں فرزند عمرو اور ہشام دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ گویا اس کے بیٹے بھی حضور پر نور ﷺ کی روحانی فرزندی میں آ گئے اور وہ گستاخ خود ابتر و بے نشان ہو گیا۔

۶: حضور پر نور ﷺ نے قریبی رشتہ داروں کو وعظ و نصیحت کے لئے بلایا تو ابولہب شقی بولا 'تبالک سائر الیوم الھذا اجمعتنا' (ٹوٹنا اور ہلاک ہونا ہو تیرے لئے ہمیشہ کو، کیا ہمیں اس لئے جمع کیا تھا، معاذ اللہ) اللہ نے اس کے جواب میں سورۃ ابی لھب اتاری جس کا آغاز یوں ہوا

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ

(ٹوٹ گئے دونوں ہاتھ ابولہب کے اور وہ خود ہلاک و برباد ہوا)

ساری سورت غضب خداوندی کی ترجمان ہے

۷: حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی پر تہمت لگائی گئی تو ایک بچے سے ان کی صفائی پیش کرائی گئی، حضرت سیدہ مریم صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام آیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی عفت کے گواہ بن گئے، مگر حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا گیا تو خود رب العزۃ نے ان کی برأت کا اعلان فرمایا۔ جن منافقین نے یہ جرأت کی تھی، ان پر سخت ترین غضب کا اظہار کیا گیا اور جو سادہ لوگ سادگی کی بنا پر شکوک و شبہات کا شکار ہو

گئے تھے۔ انھیں بھی تنبیہ فرمائی گئی۔

اسی طرح منافقین مدینہ کی ہرزہ سرائیوں کا جواب حضور پرنور ﷺ کے بجائے خود اللہ جل مجدہ نے ارشاد فرمایا۔ نیز اس سلسلے میں یہ بھی امتیاز روا رکھا گیا کہ کفار نے انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں جو خرافات بکی تھیں، وہ بھی من وعن نقل کردی گئیں مگر جب اس محبوب کریم ودرِ یتیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باری آئی تو کفار کی خرافات کو اکثر نقل تک نہیں کیا گیا ہاں اس کا جواب دے دیا گیا۔ اگر آپ غور فرمائیں جس طوفانی دور میں یہ آیات نازل ہوئیں اور جس غضبناک انداز میں نازل ہوئیں، اللہ کے قادر مطلق اور حضور نبی اکرم ﷺ کے نبی برحق ہونے کا یہ بھی ایک ثبوت ہے۔ وہ بدبخت لوگ جن کی خرافات کے جواب میں ان کا نزول ہوا، اور پھر جس طرح انھیں بر سرِ عام تلاوت کیا گیا، پھر اس کے باوجود حیوان صفت ظالموں کا محض دانت پیس کے رہ جانا اور کچھ نہ کرسکنا، یقیناً اللہ، نبی اور اسلام کی صداقت کی ایک روشن دلیل ہے۔ ایسے ظالم وخونخوار دشمنوں کو کھلے عام جو کچھ تھے کہا گیا، اور وہ بدترین جذبۂ انتقام کے باوجود بے بس رہے، بیشک بڑی بات ہے۔

۴۔ **حضور ﷺ کی نسبت کا اعزاز:** صرف یہی نہیں کہ صرف حضور پرنور ﷺ کی اپنی عظمت وشان کو دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام سے اجاگر کیا گیا اور اسے یکتا بنا کر یکتا انداز میں پیش کیا گیا بلکہ جس چیز کو حضور پرنور ﷺ سے نسبت حاصل ہوگئی، اسے بھی اس کی نوع سے برتر ثابت کیا گیا مثلاً حضور پرنور ﷺ کے دین کی بابت اعلان کردیا گیا

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ (الفتح: ۲۸)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین

کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے

(ب) حضور نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی بابت فرمایا

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (الاحزاب:۳۲)

ترجمہ: اے نبی کی بیویو تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو

(ج) حضور ﷺ کی امت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:۱۱۰)

تم بہتر ہو سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں

(د) اسی نسبت کی عظمت کو مزید واضح کرنے کے لئے حضور پر نور ﷺ سے منسوب چیزوں کی قسم ذکر فرمائی گئی

مثلاً آپ ﷺ کے زمانے کی قسم

وَالْعَصْرِ ○ (العصر:۱)

ترجمہ: اس زمانہ محبوب کی قسم

آپ ﷺ کے شہر کی قسم

لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ ○ وَاَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ ○ (البلد:۱،۲)

ترجمہ: مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شہر کی قسم کی مراد حضور ﷺ کی خاک پاک کی قسم مراد لی ہے (جیسا کہ مواہب لدنیہ وغیرہ کی روایت سے ظاہر ہے) حضرت شیخ محقق نے مدارج النبوۃ میں فرمایا ہے کہ گویا حضور ﷺ کی خاک پا بھی اللہ تعالیٰ کے

ہاں دوسروں سے زیادہ معظم ہے۔

آپ ﷺ کے کلام کی قسم

وَقِيلِهِ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (الزخرف ۔ ۸۸)

ترجمہ: مجھے قسم ہے رسول کے اس کہنے کی کہ اے میرے رب یہ لوگ ایمان نہیں لاتے

آپ ﷺ کی عمر کی قسم

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ (الحجر:۷۲)

ترجمہ: اے محبوب تمہاری جان کی قسم بیشک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔

۵۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں: حضور پرنور ﷺ کی خصوصی عظمت کا اظہار یوں بھی ہوتا ہے کہ قرآن مقدس میں بعض جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں تو مذکور ہیں مگر ان کا جواب مذکور نہیں (اگرچہ ان دعاؤں کی قبولیت میں کوئی شک نہیں) اس کے برعکس حضور پرنور ﷺ کی دعائیں تو مذکور نہیں مگر انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے لئے جس جس چیز کی دعا کی تھی، حضور پرنور ﷺ کو بغیر طلب و دعا کے عطا فرمانے کا ذکر فرما دیا گیا۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی

(الف) وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ (شعراء:۸۷)

ترجمہ: اور رسوا نہ کرنا مجھ کو جس دن جی کر اٹھیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جواب مذکور نہیں۔ البتہ حضور پرنور ﷺ کو امت سمیت یہ انعام دیا گیا

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (تحریم:ع ۲)

ترجمہ: جس دن اللہ رسوانہ کرے گا نبی کو اور ان کو جو ایمان لائے اس کے ساتھ

(ب) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک اور دعا یوں مذکور ہے

وَاجْنُبْنِىْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم:۳۵)

ترجمہ: اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے بچا

حضور پرنور ﷺ کے حق میں بن مانگے ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ

وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ (الاحزاب:۳۳)

ترجمہ: اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے گھر والو اور تمہیں خوب ستھرا کرنا

قابل غور بات یہ بھی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا تو عبادت اصنام سے بچنے کے لئے کی تھی، یہاں ہر گناہ و نقص کو عام ہے۔ وہ دعا تو خاص آپ بیٹوں کے حق میں تھی، یہاں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات اور اولاد و غیرہ سب کو شامل کیا گیا ہے۔

(ج) حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی ایک اور دعا یوں بیان کی گئی

وَاجْعَلْنِىْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝ (الشعرا:۸۵)

ترجمہ: اور مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں سے کر

حضور پرنور ﷺ کو بن مانگے فرمایا گیا

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ (الکوثر:۱)

ترجمہ: ہم نے تجھے کوثر بخشا

بلکہ یہاں تک فرمادیا گیا

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ٥ (الضحیٰ:٥)

ترجمہ: عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

(د) اللہ کے خلیل علیہ السلام کی ایک دعا یہ بھی ہے۔

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ٥ (الشعرا:٨٤)

ترجمہ: اور میری سچی ناموری رکھ پچھلوں میں

حضور پرنور ﷺ کو بے مانگے اس سے بڑھ کر عطا ہوا یعنی

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ٥ (انشراح:٤)

ترجمہ: اور ہم نے تیرے لئے تیرا ذکر بلند کیا

یاد رہے یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ذکر تھا جو اللہ کے خلیل اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام میں دوسرے نمبر پر ہیں۔ اب آیئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی طرف، انھوں نے التجا کی

(الف) رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ٥ (طٰہٰ:٢٥)

ترجمہ: اے میرے پروردگار میرے لئے میرا سینہ کھول دے

حضور پرنور ﷺ سے فرمایا گیا

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ٥ (انشراح:١)

ترجمہ: کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا

٦۔ ہر عضو کا ذکر خیر: حضرت مولانا نور بخش توکلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر عضو کا ذکر کیا ہے جس سے حق جل وعلا کی کمال محبت وعنایت پائی جاتی ہے"

قلب مبارک: الف: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ (النجم۔۱۱)

ترجمہ: دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا

ب: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (الشعرا:۱۹۳،۱۹۴)

ترجمہ: اسے روح الامین لے کر اترا تمہارے دل پر کہ ڈر سناؤ

زبان مبارک:

الف: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ (النجم:۳،۴)

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے

ب: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (الدخان:۵۸)

ترجمہ: تو ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری زبان میں آسان کر دیا کہ وہ سمجھیں۔

چشم مبارک:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ○ (النجم:۱۷۔۱۸)

ترجمہ: آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ بے شک اس نے اپنے

رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں

رُخِ مبارک: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ج فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ص (البقرہ:۱۴۴)

ترجمہ: ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے۔

دست مبارک اور گردن مبارک:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ (بنی اسرائیل:۲۹)

ترجمہ: اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ

سینہ مبارک:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (الانشراح:۱)

ترجمہ: کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا

پشت مبارک:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ (الانشراح:۲،۳)

ترجمہ: اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑ دی تھی

۷۔ اللہ تعالٰی کے ساتھ ذکر: قرآن پاک میں نہایت ہی کثرت سے اللہ تعالٰی نے اپنے ذکر خیر کے ساتھ حضور ﷺ کا ذکر خیر فرمایا ہے۔ ایمان، اطاعت،

ایذا، برأت، اذان وغیرہ کے حکم و اعلان میں یہی اہتمام بار بار ہے مثلاً

الف: أَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ (الانفال: ع۳)

ب: اٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ (نور۔ع۹)

ج: اِسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ (الانفال۔ع۳)

د: وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ (النساء۔ع۲)

ر: يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ (الاحزاب۔ع۷)

س: بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ (التوبۃ۔ع۱)

ص وَأَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ (التوبہ۔ع۱)

ط: يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ (المائدہ۔ع۵)

ع: لَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ (التوبۃ۔ع۴)

ف: الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ (الانفال۔شروع)

ق: يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ (الانفال۔ع۲)

ک: اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ (التوبۃ۔ع۱۰)

ل: فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ (النساء۔ع۸)

م: فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ (الانفال۔شروع)

ن: أَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ (التوبۃ۔ع۱۰)

و: الَّذِينَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ (التوبۃ۔ع۱۲)

ی: أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ (الاحزاب۔ع۵)

حضور پرنور ﷺ کے بارے میں

قرآن مقدس نے کیا عقائد و تصورات دیئے

اس سلسلے میں اوپر کے صفحات، میں کچھ تفصیل آچکی ہے۔ انھیں کو غور سے دیکھ لیا جائے تو بہت سی وضاحت خود بخود آجاتی ہے۔ مثلاً نبوت و رسالت کا منصب کیا ہے اور اس پر ایمان لانے کے تقاضے کیا ہیں۔ پھر یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام سب کے سب حضور پرنور ﷺ کے نائب، مظہر اور امتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان سب کے فضائل و کمالات بھی حضور پرنور کا صدقہ ہیں اور سرکار دو عالم ﷺ ہی کی برکت سے انھیں جو کچھ ملا ہے، ملا ہے۔ وہ سب حضرات اللہ کے محبوب ہیں مگر حضور پرنور ﷺ محبوب اعظم ہیں۔ جب یہ سب حضرات اللہ کی بارگاہ سے فضائل و کمالات لے کر ہی آئے ہیں عیب یا نقص لے کر نہیں آئے تو ان سب کے آقا و مولا، سردار و سلطان، قائد و حاکم، نبی و رسول صلی اللہ علیہ وعلیہم و بارک وسلم کے فضائل و کمالات کی حد کیا ہو گی، کسی بھی رسول کا ذکر ہو تو وہ فضیلت کے حوالے ہی سے ہو گا، معاذ اللہ تنقیص و تردید کے انداز میں نہیں، قرآن پاک فرماتا ہے

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط (البقرہ۔۲۵۳)

ترجمہ: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا، ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا

کسی بھی رسول یا نبی کا ذکر کرنے والا ان کے فضائل کو نظر انداز کر کے کسی

برعکس انداز میں ان کا ذکر کرنا چاہتا ہے تو وہ قرآن کا مخالف اور کافر و منافق ہے۔ پھر جہاں تک حضور ﷺ کی ذات بابرکات کا تعلق ہے، حضور تو سب کے فضائل کا واسطہ و سبب اور اصل ہیں، اسی آیت میں دیکھ لیں، کس پیارے انداز میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم واکرم ﷺ کی یکتا فضیلت کا ذکر فرمایا ہے۔ یعنی ارشاد ہو رہا ہے ہم نے رسولوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دی، ان میں سے وہ بھی ہیں جنھیں اللہ نے ہمکلامی کا شرف بخشا، ظاہر ہے وہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام ہیں اور پھر سب سے آخر میں جو سب سے آخر میں جلوہ افروز ہوئے، ان کا ذکر ہوا اور وہ بھی سرور بخش انداز میں وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ یعنی ان میں کسی کو درجوں بلند کیا، اور وہ ظاہر ہے سرورِ کونین، مالکِ دارین، سید الثقلین، نبی الحرمین ﷺ ہیں۔

انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر بھی درجوں یعنی ایک دو یا گنتی کے درجے بلند نہیں بلکہ غیر محدود و غیر معدود درجوں کی بلندی عطا فرمائی گئی۔ ان بے مثال ولا جواب فضائل کے ایک دو نمایاں ترین پہلو بیان کیے جاتے ہیں۔

ا۔ حضور اکرم ﷺ محمد و احمد ہیں: حضور ﷺ کے متعدد اسماء صفاتی ایسے ہیں جو اللہ کریم کے اسماء صفاتی کا پرتو ہیں مثلاً اللہ بھی رؤف اور رحیم ہے، اسی کے حبیب بھی رؤف و رحیم ہیں۔ یونہی بعض دوسرے اسماء گرامی ہیں۔

ان میں دو نام پاک ہیں جو سرکار دو عالم ﷺ کے ذاتی ہیں یعنی محمد، احمد، دونوں جن فضائل کا اعلان کرتے ہیں، ان کی بھی حد نہیں۔ پہلے پہلے اسم مبارک کو لیجیے، آپ سے پہلے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو جو مبارک نام دیئے گئے، ان میں کوئی ایک بھی

ان کی مخصوص فضیلت کو ظاہر نہیں کرتا مثلاً!

آدم: کے معنی گندم گوں ہیں۔ ابوالبشر کا یہ نام ان کے جسمانی رنگ کو ظاہر کرتا ہے۔

نوح: کے معنی آرام ہیں، باپ نے ان کو آرام و راحت کا موجب قرار دیا۔

اسحٰق: کے معنی ضاحک یعنی ہنسنے والا ہیں، ہشاش بشاش چہرے والے تھے۔

یعقوب: پیچھے آنے والا، یہ اپنے بھائی عیسو کے ساتھ توام (جڑواں) پیدا ہوئے تھے

موسیٰ: پانی سے نکالا ہوا، جب ان کا صندوق پانی سے نکالا گیا، تب یہ نام رکھا گیا

یحیٰی: عمر دراز، بڑھے ماں باپ کی بہترین آرزوؤں کا ترجمان ہے

عیسیٰ: سرخ رنگ، چہرہ گلگوں کی وجہ سے یہ نام تجویز ہوا۔

اسماء بالا کو دیکھو اور ان کے معانی پر غور کرو کہ وہ کسی طرح مسمی کی عظمت روحانی یا نبوت کی طرف ذرا سی بھی اشارت نہیں رکھتے مگر اسم محمد کی شان خاص ہے..... محمد حمد (مضاعف) سے مبالغہ کے لئے ہے، یہ اس لئے کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی محمود ہیں، ملائکہ مقربین میں بھی محمود ہیں، زمرۂ انبیاء و مرسلین میں بھی محمود ہیں اور اہل زمین کے نزدیک بھی محمود ہیں، جو لوگ حضور ﷺ کا کلمہ نہیں پڑھتے، وہ بھی ان سجایا و شیم کے مداح ہیں، جن کا لزوم و ثبوت حضور ﷺ کے نام کے معنی اور حضور ﷺ کی ذات گرامی سے بدرجہ اتم ہے۔ ہاں حضور ﷺ ہی مقام محمود والے ہیں اور لواء الحمد حضور ﷺ ہی کے رایت شاہی کا

نام ہے۔ حضور ﷺ کی امت کا نام بھی انھیں مناسبات سے
حمادون ہے" (رحمۃ للعلمین حصہ سوم)

یہ نام پاک اللہ کے اسم پاک محمود سے نکالا گیا ہے باب تفعیل سے ہے اور اس کا معنی ہے
اَلَّذِیْ یُحْمَدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدٍ، اَلَّذِیْ یُحْمَدُ مَرَّۃً بَعْدَ
مَرَّۃٍ اَلَّذِیْ یُحْمَدُ کَرَّۃً بَعْدَ کَرَّۃٍ
یعنی جس کی بار بار حمد و ثنا کی جائے (مگر یہ حمد و ثنا ختم نہ ہو)

یہ نام پاک حضور پر نور ﷺ کی رسالت کی گواہی دے رہا ہے۔ اصل محمد وہی ہے جس کی سب تعریف کریں۔ اپنے بیگانے، اہل شرق و غرب، جنوب و شمال والے، بحر و بر والے، عرش و فرش کے مکین، جن و بشر، حور و ملک، بلکہ ساری خدائی بلکہ سب کا خدا۔

محمد ﷺ وہ ہیں جو حمد و ثنا ہی کے لائق ہیں انھیں عیب و نقص سے کوئی تعلق نہیں، چنانچہ جو شخص حضور ﷺ کو رسول مانے اور آپ کے کسی وصف کا انکار کرے یا آپ کے علم و حلم، جود و سخا، فضل و کرم، اختیار و اقتدار، رفعت و عظمت کے کسی پہلو پر اعتراض کرے خود جھوٹا ہے بلکہ جو محمد بھی مانتا ہے، پھر بھی آپ کے فضائل و کمالات کے کسی عنوان کا منکر ہے تو گویا اپنے کاذب ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ یہ نام پاک ایسا خود کفیل ہے کہ جو اسے سمجھتا ہے۔ اعتراض و انکار سے خود رک جاتا ہے کیونکہ 'محمد' مان کر ہرزہ سرائی کرنا آپ اپنی تردید کے مترادف ہے۔ چنانچہ اسی حقیقت کے پیش نظر کفار مکہ نے اپنے خیال میں نام مبارک بدل کر مذمم (یعنی جس کی مذمت کی جائے) رکھ لیا اور جب بھی حضور ﷺ کے بارے میں بکواس کرتے یہی ناپاک لفظ استعمال کرتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تشویش کا اظہار کیا تو اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا

اَلَا تَعْجَبُوْنَ كَيْفَ يَصْرِفُ اللّٰهُ عَنِّىْ شَتْمَ قُرَيْشٍ وَ لَعْنَهُمْ يَشْتِمُوْنَ مُذَمَّمًا وَ يَلْعَنُوْنَ مُذَمَّمًا وَ اَنَا مُحَمَّدٌ

(بخاری شریف، کتاب الانبیاء)

ترجمہ: کیا تمہیں اس پر تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قریش کی گالیوں اور لعنت سے کس طرح بچایا ہوا ہے۔ وہ کسی مذمم کو گالیاں دیتے ہیں اور کسی مذمم پر لعنت بھیجتے ہیں جبکہ میں تو محمد ہوں (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

کفار مکہ کی اس بجھو اور محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کے جواب سے وہ لوگ روشنی حاصل کریں جو کسی بھی پہلو یا کسی بھی بہانے حضور پر نور ﷺ کے کسی وصف پر مخالفانہ یا گستاخانہ طرز گفتگو اختیار کرتے ہیں۔

دیکھا آپ نے یہ اسم شریف سراسر نعت ہے۔ گویا قدرت یہ چاہتی ہے کہ بڑے سے بڑا منکر بھی حضور ﷺ کا نام پاک لیتے ہی نعت پڑھنے پر مجبور ہو جائے، اور کوئی عشق و ایمان والا اس کی ہرزہ سرائی کا جواب دینے کیلئے اس کے سامنے نہ بھی ہو تو یہی نام پاک اس کی زبان سے نکل کر اس کی تردید کر دے۔

شاعر دربار رسالت۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ
فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّ هٰذَا مُحَمَّدٌ

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا نام پاک چیر کر اس سے اپنے حبیب

مکرم ﷺ کا نام پاک نکالا ہے تا کہ وہ اس کی عظمت کو ظاہر کرے چنانچہ عرش والا خود محمود ہے اور یہ ذات پاک محمد۔

(صلے اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و بارک وسلم)

بعض فرماتے ہیں 'محمود' اور 'محمد' میں 'وٗ' کا فرق ہے اور وہ حرف علت ہے گویا محمود وہ ہے جسے علت والے بھی یاد کرتے ہیں لیکن محمد وہ ہیں جنہیں وہی یاد کرتے ہیں جو علت والے نہیں۔

اب آیئے دوسرے اسم ذاتی 'احمد' کی طرف۔ یہ 'حامد' سے یا حمید سے تفضیل کا صیغہ ہے۔ حامد سے ہو تو مفہوم ہوا سب سے زیادہ (اپنے رب کی) حمد کرنے والا اور 'حمید' سے ہو تو معنی ہوا مخلوق میں جس کی سب سے زیادہ حمد کی جائے، واقعی کائنات میں کسی نے بھی اپنے رب کی اتنی حمد نہیں کی جتنی امام الانبیاء والمرسلین علیہم السلام نے کی اور مخلوق میں کسی کی بھی اتنی تعریف نہیں ہوئی جتنی اس جان خوبی و کمال شان محبوبی ﷺ کی ہوئی ہے۔ اس دوسرے اعتبار سے یہ بھی گویا معانی میں 'محمد' سے ملتا جلتا ہے۔

فزوں تر از تو کسے را نہ حمد گفت جہاں
نہ برتر از تو کسے گفت حمد ربانی
ترا محمد و احمد زمین خواند و زماں
حمید باشد و محمود ذات سبحانی
سخن ز واجب و ممکن نہ ازادب باشد
طفیل تست ہمہ کارگاہ امکانی !!

(رحمۃ للعلمین مصنف قاضی سلیمان مرحوم)

﴿حضور ﷺ رحمۃ للعلمین ہیں﴾

اللہ رب العلمین ہے یعنی سب جہانوں کا پروردگار اور حضور پر نور ﷺ کو اس نے رحمۃ للعلمین بنایا یعنی سب جہانوں کے لئے رحمت اور واسطہ فیض۔ نہ کوئی ذرہ اللہ کی ربوبیت سے بے نیاز ہے نہ حضور ﷺ کی رحمت سے۔ اللہ مخلوق کے کسی فرد پر بھی جو کرم فرماتا ہے، حضور پر نور ﷺ کے وسیلے سے فرماتا ہے۔ یا یوں سمجھو جس کو بھی دیتا ہے، اللہ ہی دیتا ہے مگر دیتا حضور پر نور ﷺ کے وسیلے سے ہے اور جس کو بھی دیتے ہیں حضور ﷺ ہی دیتے ہیں، مگر دیتے اللہ کے فضل سے ہیں۔ خود فرماتے ہیں

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰہُ یُعْطِیْ (بخاری و مسلم)

میں بانٹنے والا ہی ہوں اور اصل عطا فرمانے والا اللہ ہے

اعلیٰحضرت فرماتے ہیں:

رب ہے معطی، یہ ہیں قاسم
رزق اس کا ہے، کھلاتے یہ ہیں
اس کی بخشش، ان کا صدقہ
دیتا وہ ہے، دلاتے یہ ہیں!

غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے بقول جو سارے جہان کے لئے رحمت ہے، اسے زندہ ہونا چاہیئے، کائنات کے ذرے ذرے کے حال سے واقف ہونا چاہیئے، سب سے قریب ہونا چاہیئے اور خدا کے فضل و عطا سے سب کا مشکلکشا اور حاجت روا ہونا چاہیئے، جو زندہ نہ ہو کسی کے حال سے واقف نہ ہو،

قریب نہ ہو اور کسی کی مصیبت دور اور کسی کی حاجت پوری کرنے کا اختیار نہ رکھتا ہو، کسی پر کیا رحم کر سکتا ہے اور کس معنی میں رحمۃ للعلمین ہو سکتا ہے۔

حضور ﷺ اول و آخر ہیں

تمام عالمین کے لئے رحمت ہونے والی ذات کے لئے ضروری ہے کہ وہ عالمین سے پہلے موجود ہو اور عالمین کے بعد تک موجود رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۝ (الحدید-۳)

ترجمہ: وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے

شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حمد خدا بھی ہے اور نعت مصطفیٰ بھی (علیہ التحیۃ والثناء)۔ یعنی اللہ اپنی شان یکتا کے مطابق اول، آخر، ظاہر، باطن اور ہر شے کو جاننے والا ہے اور حضور پرنور ﷺ بھی اس کے فضل سے مخلوق میں اول، آخر، ظاہر، باطن اور ہر شے کو جانتے ہیں۔ مزید اطمینان کے لئے دیکھیے حضرت جبریل علیہ السلام حضور پرنور ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہو کر یوں سلام عرض کرتے ہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَوَّلُ

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اٰخِرُ

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا ظَاہِرُ

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا بَاطِنُ

(رسالہ ختم نبوت از اعلیٰحضرت بحوالہ شرح شفا شریف)

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآں وہی فرقاں، وہی یٰسں وہی طٰہٰ

(حکیم الامت اقبال)۔

ا: حضور پرنور ﷺ کا "اول" ہونا:

قرآن پاک سے یوں بھی ثابت ہے

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ کَرْھًا وَّاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ ○ (آل عمران۔۸۳)

ترجمہ: تو کیا اللہ کے دین کے علاوہ اور دین چاہتے ہیں اور اسی کے حضور گردن رکھے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

دیکھا، آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز نے اللہ کے حضور گردن جھکائی ہے یعنی یہ چیزیں 'مسلم' ہیں، مگر سب سے پہلا مسلم کون ہے؟ آگے پڑھیں

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ج وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ○ (الانعام۔۱۶۲۔۱۶۳)

ترجمہ: تم فرماؤ بیشک میری نماز اور قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا

سب اللہ کے لئے ہے جو رب سارے جہان کا، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلم ہوں۔ زمین و آسمان کی ہر چیز 'مسلم' اور سب سے پہلے مسلم ہیں حضور ﷺ تو اولیت' واضح ہوگئی۔

جہاں تک احادیث شریفہ کا تعلق ہے، وہ تو اس باب میں متعدد ہیں مثلاً

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ

یہ حدیث پاک از حد مشہور ہے حتیٰ کہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی دیوبندی نے عقائد الاسلام حصہ دوم میں اسے عنوان بنایا ہے اور علماء دیوبند کے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے نشر الطیب میں پہلا عنوان یوں تحریر فرمایا ہے

"پہلی فصل نور محمدی کے بیان میں"

۲: حضور خاتم النبیین ہیں: حضور ﷺ آخر ہیں اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ بعثت میں سب انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ہیں۔ یہ عقیدہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے واضح ہے۔ سورۃ الاحزاب میں تو بالکل دوٹوک اعلان ہے

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ○ (الاحزاب۔۴۰)

ترجمہ: محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے

یہ اسلام کا ایسا بنیادی عقیدہ ہے جیسا توحید اور حضور ﷺ یا دوسرے رسولوں کی رسالت۔ چنانچہ اس کا منکر اسی طرح دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے جیسا حضور ﷺ

کو رسول نہ ماننے والا۔ بیشمار احادیث سے ختم نبوت کا عقیدہ ثابت ہے چنانچہ حضور ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا نبی نہیں دجال ہوتا ہے۔ کتنا غضب ہے اللہ کے سچے رسول عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو نبوت کا دعویٰ نہ کریں اور کوئی کانا یہ جرأت کرے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت کے خلاف تھا کہ رحمۃ للعلمین کا دروازہ دکھا کر پھر مخلوق کو کسی اور دروازے کی طرف بلائے۔

حضرت اقبال فرماتے ہیں۔

۱۔ حق تعالیٰ پیکر ما آفرید
وز رسالت در تن ما جاں رسید

۲۔ حرف بے صوت اندریں سالم بدیم
وز رسالت مصرع موزوں شدیم

۳۔ از رسالت در جہاں تکوین ما
از رسالت دین ما آئین ما

۴۔ از رسالت صد ہزار ما یک است
جزو ما از جزو مالاینفک است

۵۔ ما ز حکم نسبت او ملتیم
اہل عالم را پیام رحمتیم

۶۔ تا نہ ایں وحدت زدست ما رود
ہستی ما با ابد ہمدم شود

۷۔ پس خدا برما شریعت ختم کرد

بر رسول ما رسالت ختم کرد

۸۔ لا نبی بعدی ز احسان خدا ست

پردۂ ناموس دین مصطفےٰ است

۹۔ حق تعالیٰ نقش ہر دعویٰ شکست

تا ابد اسلام را شیرازہ بست

ترجمہ: رب تعالیٰ نے امت مسلمہ کا پیکر پیدا فرمایا اور رسالت سے اس بدن میں جان پھونکی

۲۔ ہم اس دنیا میں صرف بے آواز تھے۔ رسالت نے ہمیں باوزن مصرعہ بنا دیا

۳۔ رسالت ہی سے دنیا میں وجود قائم ہے۔ ہمارے دین اور آئین کا دارومدار بھی رسالت پر ہی ہے۔

۴۔ رسالت ہی سے ہم ہزار ہا ہونے کے باوجود ایک ہیں اور ہمارے اجزا ایک دوسرے سے قطعاً جدا نہیں ہو سکتے۔

۵۔ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت سے ایک ملت ہیں اور دنیا والوں کے لئے رحمت کا پیغام ہیں۔

۶۔۷۔ اس لئے کہ یہ وحدت ضائع نہ ہو اور ملت ہمیشہ رہے، خدا نے ہمارے رسول پر رسالت اور ہم پر شریعت ختم کر دی۔

۸۔ ختم نبوت تو خدا کا خاص احسان ہے اور دین مصطفیٰ کی عزت اس سے ہے۔

۹۔ ختم نبوت سے خدا نے نئی نبوت کے ہر دعویٰ کو توڑ کے رکھ دیا اور ہمیشہ کے لئے ملت اسلام کی شیرازہ بندی کر دی۔

۳۔ حضور شاہد اور حاضر و ناظر ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ (الاحزاب)

شاہد شہود سے ہو تو اس کا معنیٰ حاضر اور مشاہدے سے ہو تو ناظر۔ چونکہ یہ دونوں سے ہے، اس لئے اس کا لغوی معنیٰ ہے حاضر و ناظر، لہذا حضور پر نور ﷺ اپنی روحانیت سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں (کیونکہ ارسلنا میں رسالت کا ذکر کر کے فوراً شاھد فرمایا تا کہ واضح ہو جائے کہ جہاں تک آپ کی رسالت ہے، وہیں تک حاضر و ناظر ہیں۔ ظاہر ہے رسول عالمین کے ہیں (جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزرا) تو حاضر و ناظر بھی خدا کے فضل سے سارے عالمین میں ہیں۔ جب حاضر و ناظر ہیں تو ظاہر ہے مبشر اور نذیر بھی ہیں یعنی جن انعامات کی بشارت دیتے ہیں، دیکھ کر دیتے ہیں اور جن عذابوں سے ڈراتے ہیں، وہ بھی ان کی نظر میں ہیں۔ یہ اللہ کی ذات کی طرف بلانے والے ہیں اور یہ منصب انھیں اللہ کے اذن سے ملا ہے۔ لہذا کائنات میں جسے بھی عرفان ذات میسر ہوگا، ان کے وسیلے اور توجہ سے ہوگا۔ قرآن پاک میں سورج کے لئے سراج

کا لفظ آیا ہے۔ گویا یہ نہایت ہی عظیم الشان سورج ہیں جو منیر ہیں
یعنی نور دینے والے نور بنانے والے۔ کیسا کفر شکن انداز ہے
قرآن پاک کا جسے نور ماننا بھی منافقین پر گراں ہے، انھیں منیر یعنی
نور بنانے والا فرما رہا ہے۔ اگر ایسی نور علی نور کے نور کو بھی کوئی نہ
مانے تو اس کی مرضی

گر نہ بیند بروز شپر چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

حضور ﷺ حاکم و مختار ہیں: جب حضور پر نور ﷺ سب کے رسول ہیں تو سب کے مطاع و حاکم بھی ہیں۔ قرآن پاک میں اطاعت کی تاکید میں کئی آیات کریمہ ہیں۔ اللہ کریم نے اطاعت رسول ہی کو اطاعت خدا کا معیار ٹھہرایا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝ (النساء۔۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا اس نے بیشک اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا

دور حاضر کے بعض فکری دہشت گردوں کے نزدیک رسول سے مراد بھی قرآن پاک ہی ہے، حالانکہ خود قرآن پاک نے دوٹوک انداز میں اعلان فرمایا

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

یہ کہیں نہیں فرمایا

اَلْقُرْاٰنُ رَسُوْلُ اللّٰهِ

متعدد آیات ہیں جن میں رسول سے قرآن مراد لینا ممکن ہی نہیں ہے۔ مثلاً

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ
عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (التوبہ۔۱۲۸)

ترجمہ: بیشک تمھارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمھارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمھاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان ہیں۔

یا مثلاً

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى
اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا (الفتح۔۱۲)

ترجمہ: بلکہ تم تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ رسول اور مسلمان ہرگز گھروں کو واپس نہ آئیں گے۔

یہیں سے اندازہ لگائیے، انسان بغاوت پر اترتا ہے تو کس قعر مذلت میں جا گرتا ہے۔ اس قسم کے بے دینوں کو اطاعت رسول سے وحشت تھی تو قرآن پاک کے حکم اطاعت رسول کو بدلنے کے لئے انھوں نے رسول کا معنیٰ ہی قرآن گھڑ لیا۔ اور پھر مکاری دیکھئے اپنا نام بھی 'اہل قرآن' رکھا۔ واللہ رسول کی اطاعت سے روگردانی کرنے والے سے بڑا نااہل قرآن اور باغی قرآن کون ہوگا۔

خیر بات ہو رہی تھی حضور ﷺ کے رسول کل اور مطاع کل ہونے کی۔ سو جسے حضور انور ﷺ کی اطاعت سے انکار ہے وہ قرآن پاک کی رو سے 'کافر' ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

الْكٰفِرِيْنَ ۝ (آل عمران۔۳۲)

ترجمہ: تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا، پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (النساء:۶۵)

ترجمہ: تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں، پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

حضور اللہ کے محبوب اعظم ہیں

یوں تو ہر نبی علیہ السلام اللہ کا محبوب اور مستجاب الدعوات ہوتا ہے مگر حضور پرنور ﷺ اللہ کے محبوب اعظم ہیں اور یہاں دعا ہی نہیں، رضا بھی ملحوظ ہے

منظور ہیں ابرو کے اشارے سے دعائیں
کب تیر کماندار نبوت کا خطا ہو!!

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ج فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط (البقرہ۔۱۴۴)

ترجمہ: ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمھارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمھاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف

دوسرے مقام پر مزید وضاحت سے فرمایا

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ○ (الضحیٰ۔۵)

ترجمہ: اور بیشک قریب ہے کہ تمھارا رب تمھیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے

ایسا ہی مضمون حدیث قدسی میں ہے

كُلُّهُمْ يَطْلُبُونَ رِضَائِي وَأَنَا أَطْلُبُ رِضَاكَ يَا مُحَمَّدُ.

ترجمہ: سارے میری رضا چاہتے ہیں اور اے محمد ﷺ میں تیری رضا چاہتا ہوں۔

حضور ﷺ مقنن یعنی قانون ساز ہیں

جب حضور ﷺ کی اطاعت مطلقاً واجب ہے اور آپ کی اطاعت اور فیصلے کا منکر کافر ہے حتیٰ کہ آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت اور آپ کا فیصلہ اللہ کا فیصلہ ہو (کہ اللہ کی طرف سے رسول و نمائندہ بنائے جانے کا اولین تقاضا بھی ہے) تو ماننا ہوگا سارا نظام شریعت حضور ﷺ ہی کے گرد گھومتا ہے، چنانچہ حکم ہوتا ہے۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ج وَاتَّقُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○ (الحشر۔۷)

ترجمہ: اور جو کچھ تمھیں رسول عطا فرمائیں، وہ لو اور جس سے منع

فرمائیں، باز رہو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

دیکھیئے غضبِ خداوندی کے تیور، جو بد بخت شخص اللہ کے پیارے رسول ﷺ کو 'دینے والا' نہیں مانتا اور حضور کو منع فرمانے والا نہیں مانتا، اللہ سے نہیں ڈرتا وہ عذاب سخت کا مستحق ہے

نَبِیُّنَا الْاٰمِرُ النَّاهِیْ فَلَا اَحَدٌ!!
اَبَرَّ فِیْ قَوْلِ لَا مِنْهُ وَلَا نَعَم (قصیدہ بردہ)

ترجمہ: ہمارے نبی آمر (یعنی نیکی کا حکم دینے والے) اور ناہی (یعنی برائی سے روکنے والے) ہیں اور کوئی ایک بھی حکم دینے اور روکنے میں آپ سے زیادہ سچا نہیں۔

اس 'قانون سازی' کی حدیث پاک میں بیشمار مثالیں ہیں، کم از کم اتنا تو بالکل واضح ہے کہ اللہ کریم نے قرآن پاک میں مختلف احکام عطا فرمائے مگر تفصیل نہ بتائی کہ اسے اپنے رسول پر چھوڑ دیا۔ مثلاً نماز کا حکم دیا تو پڑھنے کی صورت نہ بتائی۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی صورت وہی ہوگی جو حضور ﷺ نے فرمائی۔ جو حضور ﷺ کے حکم پر قیام و رکوع و سجود نہیں کرے گا قرآنی حکم نماز کی تعمیل سے قاصر اور باغی سمجھا جائے گا۔ مزید ارشاد فرمایا

وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ط (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں انھیں حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے، اتارے گا۔

جو حضور پرنور ﷺ کے اس اختیار کے منکر ہیں، ان سے جہاد کرنے کا حکم ہے، ارشاد ہوتا ہے

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ (التوبہ:۲۹)

ترجمہ: لڑو اُن سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے یعنی وہ جو کتاب دیئے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں ذلیل ہوکر۔

کیونکہ اللہ نے اپنے رسول کے سوا حلال وحرام کرنے کا اختیار کسی اور کو نہیں دیا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ (الانعام۔۱۴۰)

ترجمہ: بیشک تباہ ہوئے وہ جو اپنی اولاد کو قتل کرتے ہیں احمقانہ جہالت سے اور حرام ٹھہراتے ہیں وہ جو انھیں اللہ نے روزی دی اللہ پر جھوٹ باندھنے کو، بیشک وہ بہکے اور راہ نہ پائی۔

اس سے پہلے فرمایا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (المائدہ۔۸۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ، وہ ستھری چیزیں کہ اللہ نے تمہارے لئے حلال کیں اور حد سے نہ بڑھو، بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

اللہ اور رسول کا فضل

اوپر کی آیات پر غور کیجئے، حضور ﷺ جو دیں وہ لو تو دینے والے ہوئے اور روکیں تو باز رہو تو روکنے والے ہوئے، دیتے ہیں پاکیزہ چیزیں اور روکتے ہیں حرام چیزوں سے، بوجھ اور گلے کے پھندے اتارتے ہیں تو سب رحمتیں ہیں، جنہیں عام کرنے کے لئے رب العلمین نے رحمۃ للعلمین کو بھیجا ہے (جل وعلا و ﷺ)

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ج

(التوبہ ۷۴)

ترجمہ: اور انھیں کیا برا لگا یہی نا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا

اس سے پہلے فرمایا

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ۝ (التوبہ: ۵۹)

ترجمہ: اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ و رسول نے ان کو دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے، اب دیتا ہے اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول، ہمیں اللہ ہی کی طرف رغبت ہے

اللہ اور رسول ﷺ کی رضا

جب ہر نعمت و دولت میں اللہ و رسول (جل وعلا و ﷺ) کے فضل کی کار فرمائی ہے تو انہیں کو سب سے زیادہ راضی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہی ایمان کا تقاضا ہے۔

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهٗ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝ (التوبہ ۶۲)

ترجمہ: (منافق) تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ تمہیں راضی کرلیں اور اللہ اور رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے۔

حسین ترین نمونہ عمل

'رضا' کی صورت یہی ہے کہ حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی بسر ہو

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا ۝ (الاحزاب:۲۱)

ترجمہ: بیشک اللہ کے رسول میں تمہارے لئے نہایت حسین نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو۔

محبوب سبحانی کون؟

جو حضور پرنور ﷺ کا تابع فرمان ہے

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

کُنُوْ بَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (آل عمران۔۳۱)

ترجمہ: اے محبوب تم فرمادو، لوگو! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری فرمانبرداری کرو، اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بیحد رحم فرمانے والا ہے۔

تعظیم وتوقیر

جس محبوب اکرم ﷺ کی فرمانبرداری وغلامی سے کوئی شخص اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ظاہر ہے اس کی تعظیم وتوقیر کتنی ضروری ہوگی۔ چنانچہ قرآن پاک نے اسے مقاصد بعثت میں ایمان کے بعد دوسرے نمبر پر رکھا اور پھر عبادات کا ذکر فرمایا

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ○ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ ؕ وَتُسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا ○ (الفتح۔۸،۹)

ترجمہ: بیشک ہم نے تمہیں مشاہدہ کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو۔

بلکہ حضور اکرم واعظم ﷺ کی تعظیم وتوقیر اتنی اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کے ستر ساتھی زندہ کر دیئے تو دنیا وعقبیٰ کی خصوصی رحمتوں اور نوازشوں کے لئے نبی آخر الزماں ﷺ کی پیروی کرنے والوں کا اعلان کر

دیا اور ان کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الاعراف۔۱۵۷)

ترجمہ: تو وہ جو ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا، وہی بامراد ہوئے

﴿بے ادبی کا وبال﴾

حضور ﷺ کی آواز مبارک سے بھی آواز اونچی ہو جائے تو سب اعمال و عبادات و صدقات ضبط ہو جاتے ہیں اور یہ کفر کی علامت ہے

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (الحجرات۔۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو نبی کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

چنانچہ ایسا لفظ بھی بولنے سے منع کر دیا گیا جس کے دو معنے ہوں، ایک اچھا اور دوسرا برا، بعض دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کچھ توجہ ہٹ جانے سے کوئی ارشاد نہ سمجھ پاتے تو عرض کرتے راعنا (یعنی یارسول اللہ ہماری رعایت فرمایئے) راعنا یہود کی زبان میں

گالی تھی، وہ اسی نیت سے کہنے لگے تو فرمایا

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا
انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (البقرہ۔۱۰۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور عرض کرو انظرنا (یعنی حضور ہم پر نظر رکھیں) اور (پہلے ہی سے بغور) سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

صاف ظاہر ہے اس آیت میں کافروں سے مراد حضور رسول اکرم ﷺ کے بے ادب ہیں۔

ہاں ہاں جس محبوب اقدس ﷺ کی مبارک آواز سے کسی کی آواز بلند ہو جائے تو تمام اعمال ضبط ہو جاتے ہیں، اگر خدانخواستہ کوئی نازیبا لفظ یا ایسا لفظ جس کا ایک معنی برا ہو باقی اچھے تو دیدہ دانستہ اسے استعمال کرنا کیوں نہ کفر ہوگا۔ یقیناً ایسے لوگ حضور پرنور ﷺ کو ایذا دیتے ہیں اور اس کی سزا از حد سخت ہے

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ O (التوبہ:۶۱)

ترجمہ: اور جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں، ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

ایک طرف یہ ہے ادب و تعظیم کی اہمیت کہ ایمان کے بعد بعثت کا مقصد ہی ہے اور اس کے عبادات، چنانچہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں صرف اتنی بے ادبی کہ آواز مبارک سے زیادہ آواز ہو جائے تو تمام اعمال حسنہ ضبط، پھر اسے کفر سے تعبیر کرنا اور بے ادبی کرنے والوں کے لئے عذاب الیم کی وعید، کس احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔ اور آج جو

لوگ علم و فضل، کمالات و تصرفات اور رحمت و برکت پر اعتراض کرتے ہیں، ان کے لئے کیا کیا لعنتیں ہوں گی اور کیا کیا عذاب الیم ہوگا۔ اللہ کا خوف رکھنے والوں کو انصاف سے کام لینا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ جن لوگوں نے مقام نبوت کا ذکر کرتے ہوئے 'چوہڑے چمار' جیسے الفاظ لکھے ہیں۔ شیطان کے علم کو ذرہ ذرہ تک وسیع کیا اور حضور کائنات کے آقا و مولا ﷺ کے لئے دیوار کے پیچھے کے علم کا انکار کیا۔ ہر ایک مسلمان کو رحمۃ للعلمین کہنا جائز قرار دیا اور یہ بکا کہ حضور پر نور ﷺ کے بعد کوئی نبی آجائے تو آپ کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا وغیرہ وغیرہ خرافات جس کی کوئی حد ہی نہیں۔ ایسے لوگوں کو قرآن پاک کی رُو سے کیا سمجھنا چاہئے اور کیا ان کا قاسم العلوم، حکیم الامت، شیخ الاسلام، شیخ القرآن، شیخ الحدیث، امام العصر، قطب وقت، غوث دوراں کہلانا انھیں لعنت یا عذاب الیم سے بچالے گا۔ بھلا ہو مجدد ملت اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب قدس سرہ کا جنھوں نے انگریزوں کے گھڑے ہوئے 'قائدین' کے مقابلے میں قرآنی فکر پیش کیا اور اللہ کے حبیب ﷺ کے مقابلے میں کسی بڑے سے بڑے ملا کی پروا نہیں کی۔ اس بات کا اعتراف مشہور دیوبندی محدث و مصنف مولانا محمد ادریس کاندھلوی بھی کھلے بندوں کرتے تھے۔ جناب کوثر نیازی سابق وزیر حج لکھتے ہیں ۔

"میں نے صحیح بخاری کا درس مشہور دیوبندی عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم و مغفور سے لیا ہے، کبھی کبھی اعلیحضرت کا ذکر آجاتا تو مولانا کاندھلوی فرمایا کرتے

"مولوی صاحب! (اور یہ مولوی صاحب ان کا تکیہ کلام تھا) مولانا احمد رضا خان کی بخشش تو انھی فتووں کے سبب ہوجائے گی اللہ تعالیٰ

فرمائے گا، احمد رضا خان! تمھیں ہمارے رسول سے اتنی محبت تھی کہ
اتنے بڑے بڑے عالموں کو بھی تم نے معاف نہیں کیا۔ تم نے سمجھا کہ
انھوں نے توہین رسول کی ہے تو ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگا دیا، جاؤ اسی
ایک عمل پر ہم نے تمھاری بخشش کردی"

یاد رہے اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قدس سرہ نے توہین کرنے والوں پر کفر وارتداد کا فتویٰ یک دم نہیں دے دیا بلکہ تھانوی جیسے لوگوں سے اتمام حجت کے لئے باقاعدہ خط وکتابت کی، جب یہ لوگ اپنی عبارات کو کئی مہینوں کی تگ ودو کے بعد بھی بے غبار ثابت نہ کر سکے تو اعلیحضرت نے مجبوراً کفر کا فتویٰ دے دیا۔ حقیقت یہی ہے کہ جن عبارات پر کفر کا فتویٰ دیا، وہ یقیناً کفریہ اور گستاخانہ تھیں اور یقیناً مولانا ادریس صاحب بھی اس حقیقت کو جانتے تھے مگر جامعہ اشرفیہ کی شیخ الحدیثی نے انھیں پوری طرح سچ کہنے سے باز رکھا۔ تاہم جس ماحول میں انکار فضائل اور گستاخی کی تربیت دی جاتی ہو، اس میں اتنی بات بھی بڑی بات ہے۔ مجھے علماء دیوبند سے یہ گلہ ہے کہ ان میں بعض نے تو کھلم کھلا اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی شان میں گستاخیاں کیں اور دوسرے انھیں گستاخیاں سمجھتے ہوئے ان کی استادی اور پیری وغیرہ کے پیش نظر ان کو شیخ الاسلام، قاسم العلوم اور حکیم الامت وغیرہ کہتے رہے، حالانکہ ان کے اپنے ضمیر اس طرز عمل سے مطمئن نہیں تھے۔ کاندھلوی صاحب کے اسی ارشاد پر غور کرلیں۔ کیا محض توہین سمجھ لینے سے کفر کا فتویٰ دینا جائز ہے اور کیا کفر کا غلط فتویٰ دیا جائے تو کافر کہنے والا خود کافر نہیں ہوجاتا حالانکہ حدیث پاک سے بصراحت ثابت ہے کہ بلا وجہ دوسرے کو کافر کہنے والا خود کافر ہوجاتا ہے۔

حضور ﷺ محبوب اعظم ہیں

ہاں ہاں حضور پر نور ﷺ ہی مومن کی نظر میں محبوب اعظم ہیں کیونکہ جیسے آپ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے یوں ہی آپ کی محبت بھی اللہ کی محبت ہے۔ یہ مضمون بخاری و مسلم کی حدیثوں میں جلوہ فرما ہے مگر ہم تو یہاں قرآن پاک ہی کے ارشادات کو پیش کرنے کے پابند ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے کسی مخالف سے دوستی گویا اللہ کے مخالف سے دوستی ہے اور یہ صریحا ایمان کے تقاضوں کے برعکس ہے۔ صرف ایک آیت حاضر خدمت ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (المجادلہ-۲۲)

ترجمہ: تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگر چہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں، یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی

طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انھیں ایسے باغوں میں لے
جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہیں گے،
اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہ ہے اللہ کی جماعت،
خبردار اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔

یہ ہیں اللہ اور رسول ﷺ کے مقابلے کسی کی بھی پروانہ کرنے کے فضائل

۱۔ اللہ ان کے دلوں میں کندہ کر دیتا ہے۔

۲۔ اپنی طرف کی ایک روح سے ان کی امداد فرماتا ہے

۳۔ انھیں جنتوں میں لے جائے گا۔

۴۔ اللہ کی رضا انھیں حاصل ہوگی اور یہ بھی اللہ سے راضی رہیں گے۔

۵۔ یہ اللہ کی پارٹی میں شامل کر لئے گئے اور ظاہر ہے اللہ کی پارٹی ہی دو جہان میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

﴿نبی ﷺ جان سے بھی قریب ہیں﴾

رب تعالٰی فرماتا ہے

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب:۶)

ترجمہ: یہ نبی ایمان والوں کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے

کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ مومن وہ ہے جو اپنے نبی ﷺ کو دور نہ سمجھے، بلکہ اتنا قریب جانے کہ جان بھی اتنی قریب نہیں۔ (بانی دارالعلوم دیوبند کو بھی اس معنی سے انکار نہیں جیسا کہ ان کی 'تحذیر الناس' سے واضح ہے) اسی لئے ایک آیت میلاد میں فرمایا گیا

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (سورۃ التوبہ)

ترجمہ: بیشک تمھارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمھارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمھاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان ہیں۔

﴿حضور ﷺ سب کچھ جانتے ہیں﴾

قرآن پاک کی رو سے حضور ﷺ اپنی امت کے گواہ اور حضور ﷺ کی امت باقی لوگوں کی گواہ۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط (البقرہ: ۱۴۳)

ترجمہ: اور بات یوں ہے کہ ہم نے تمھیں سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمھارے نگہبان و گواہ

"قیامت میں دیگر انبیاء علیہم السلام کی قومیں ان بزرگوں کی تبلیغ کا انکار کریں گی تو حضور ﷺ کی امت ان انبیاء علیہم السلام کے حق میں گواہی دے گی اور حضور ﷺ اپنی امت کی تصدیق فرمائیں گے" (نور العرفان)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ اسی آیت کے تحت تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں (ترجمہ)

"رسول اکرم ﷺ اپنے نورِ نبوت سے ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں کہ دین کے کس درجے میں ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور کونسا حجاب اس کی ترقی میں مانع ہے۔ لہذا حضور ﷺ تمہارے گناہوں کو، تمہارے ایمانی درجات کو، تمہارے نیک و بد اعمال کو اور تمہارے اخلاص و نفاق کو جانتے پہچانتے ہیں۔ اس لئے ان کی گواہی بحکم شرع امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے۔ (ج:ا،ص ۶۳۶)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ تک سب کا یہی عقیدہ تھا۔ پھر آپ ہی کے گھر سے آپ ہی کا بھتیجا اسمٰعیل نامی منظر عام پر آیا تو اس نے امت کو 'شرک' سے بچانے کے لئے قرآن پاک کی تعلیمات کو اس انداز میں پیش کیا جو اس کا اپنا تھا اور بالکل جدید تھا اس دور میں انگریز بلا شرکت غیرے پورے برصغیر پر قبضہ کرنے پر تلے ہوئے تھے، ہندوؤں سے انہیں کوئی خطرہ نہیں تھا، البتہ چونکہ کئی سو سال سے یہاں مسلمان حکمران تھے، انگریزی مفاد اسی میں تھا کہ مسلمانوں میں نہ ختم ہونے والا انتشار پھیلے، یہ 'خدمت' مولانا محمد اسمٰعیل کے سپرد ہوئی اور انھوں نے اس مقصد کے حصول میں ساری توانائیاں صرف کردیں۔ چنانچہ مسلمانوں کا باہمی سر پھٹول شروع ہو گیا اور مولانا کے 'رحمدل' حکمرانوں کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔

پھر آیئے اپنے اصل مقصود کی طرف، یعنی اس حقیقت کی طرف کہ حضور پر نور ﷺ سے کائنات کا کوئی راز اور کوئی شے پوشیدہ نہیں قرآن پاک فرماتا ہے

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ

تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا○ (النساء۔۱۱۳)

ترجمہ: اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمھیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

ذرا دیکھئے اللہ کا فرمان "تمھیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اس کے باوجود یہ رٹ لگانا کہ فلاں چیز کا علم نہیں تھا، اگر قرآن پاک پر ایمان ہو تو کیا کوئی اس قسم کی ہرزہ سرائی کر سکتا ہے۔ آیت کے اس حصے کے ہر لفظ پر جوں جوں غور کیجیے، حضور ﷺ کے علم کی وسعتوں کا یقین نکھرتا جاتا ہے۔ مثلاً یوں کہ قرآن پاک میں بھی ہر چیز کا بیان ہے۔ ایک اور آیت ملاحظہ ہو

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ط وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ○

(الانعام۔۵۹)

ترجمہ: اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی، انھیں وہی جانتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور جو پتا گرتا ہے اور کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں اور نہ کوئی تر اور خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔

خدارا ان دونوں آیتوں پر غور کیجیے۔ اس دوسری آیت میں ساری تفصیلات کے ساتھ یہ بھی فرمایا لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ یعنی انھیں وہی جانتا ہے اور پہلی آیت میں ہے علمک مالم تکن تعلم یعنی تمھیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے، تو کیا ان دونوں کو

ملا کر کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ یقیناً ذاتی طور پر اللہ ہی سب کچھ جانتا ہے اور اس کی عطا سے (یعنی عطائی طور پر) اس کے حبیب ﷺ بھی سب کچھ جانتے ہیں۔ اگر دل حضور پرنور ﷺ سے صاف ہو اور بغض و کدورت سے خالی ہو تو اس میں کیا شک رہ جاتا ہے کہ حضور ﷺ ساری چیزوں کا علم رکھتے ہیں۔ یاد رہے سب چیزیں بھی محدود و متناہی ہیں، ان سب کا وجود دو حدوں کے اندر ہے یعنی ازل اور ابد نیز عرش اور فرش، ہر چیز اور ہر مخلوق ان حدوں سے باہر نہیں، گویا حضور ﷺ کا علم باقی انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین علیہم السلام سے بہت زیادہ وسیع ہونے کے باوجود اللہ کے علم کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا کہ اللہ کا علم بہر حال غیر محدود ہے اور حضور ﷺ کے علم میں اگرچہ سب اشیاء ہیں جو بلکہ اگرچہ اس سے کئی گنا ہو تو بھی اللہ کے غیر محدود و غیر متناہی علم کے سامنے نہ ہونے کے برابر ہے۔

اس آیت میں آپ نے دیکھ لیا کہ قرآن پاک میں زمین کی اندھیریوں میں موجود ہونے والے دانے سے لے کر ہر خشک و تر کا علم ہے اور ظاہر ہے قرآن پاک حضور ﷺ پر نازل ہوا پھر کیسے ممکن ہے کہ حضور ﷺ قرآن کو اپنے رب سے سیکھنے کے باوجود تمام اشیاء کو نہ جانیں۔ حکمت کا بھی یہی تقاضا ہے، اس کے بغیر کسی چیز کو حرام یا حلال ممکن ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور پرنور ﷺ کو حکمت سکھائی تو پھر بھی کائنات کے سارے راز کھول دیئے۔

لیجئے مخالف کیمپ سے ایک تصدیق۔ ڈاکٹر خالد غزنوی صاحب اوپر کی پہلی آیت کے یہی الفاظ ترجمہ کے ساتھ لکھ کر فرماتے ہیں۔

> "اس آیت نے یہ واضح کر دیا وہ ابتدا میں اگرچہ تعلیم یافتہ نہ تھے تو اب وہ جملہ علوم و فنون میں پوری طرح مستند کر دیئے

گئے ہیں۔ یہ بات طے ہے کہ خدا کو ہر چیز کا علم ہے اور اس کی صفات میں شفا دینے والا اور حکمت والا شامل ہے۔ وہ کہ جو علیم، حکیم، شافی اور اعلیٰ ہے اگر کسی کو یہ علم خود سکھائے تو پھر اس کے علم اور حکمت میں کسی کمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کی اس صلاحیت پر امام محمد بن ابوبکر ابن القیم لکھتے ہیں "علم طب ایک قیافہ ہے۔ معالج گمان کرتا ہے کہ مریض کو فلاں بیماری ہے اور اس کیلئے فلاں دوائی مناسب ہوگی۔ وہ ان میں سے کسی چیز کے بارے میں بھی نہیں کہہ سکتا۔ اس کے مقابلے میں نبی ﷺ کا علم طب اور ان کے معالجات قطعی اور یقینی ہیں کیونکہ ان کے علم کا دارومدار وحی الٰہی پر مبنی ہے جس میں کسی غلطی اور ناکامی کا کوئی امکان نہیں" (زادالمعاد)

(طب نبوی اور جدید سائنس ج:۱، ص۱۹)

پہلی آیت کے آخری حصے پر بھی غور کیجئے فرمایا جا رہا ہے 'اے محبوب اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ انبیائے سابقین علیہم السلام کا کچھ ذکر پہلے گزرا، ان کے حواس کا کچھ حال آپ نے گذشتہ صفحات میں دیکھا یونہی ان کے علم وسیع کا تذکرہ بھی قرآن پاک میں موجود ہے۔ مثلاً آدم علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ۔۳۱)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے

تفسیر کبیر میں اس کے تحت ہے

ترجمہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام

اور حالات سکھا دیئے اور یہی مشہور ہے کہ مراد مخلوق میں سے ہر
حادث کی جنس کے سارے نام ہیں جو مختلف زبانوں میں ہوں گے
جنھیں اولاد آدم آج تک بول رہی ہے۔ عربی، فارسی، رومی وغیرہ"
مگر آدم علیہ السلام کے بارے میں "فضل عظیم" کا ذکر کہیں نہیں، سوچئے" جسے اللہ
نے فضل عظیم سے مشرف فرمایا، اس کے علم کی حد کون سمجھ سکتا ہے
حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں فرمایا

وعلمنه من لدنا علما"

جس محبوب اکرم ﷺ پر فضل عظیم ہے، اس کے بارے میں حضرت فاروق
اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سنئے

قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ
الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَ اَهْلُ
النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهٗ وَ نَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ

(بخاری کتاب بدء الخلق)

ترجمہ: حضور پر نور ﷺ نے ہم میں ایک جگہ قیام فرمایا پس ہم کو
ابتداء پیدائش کی خبر دی یہاں تک کہ جنتی لوگ اپنی منزلوں میں پہنچ
گئے اور جہنمی اپنی منزلوں میں۔ جس نے اسے یاد رکھا، یاد رکھا اور
جو بھول گیا، بھول گیا۔

اس قسم کی بلکہ اس سے بھی واضح تر اور بھی روایات موجود ہیں۔ اس کے
باوجود یہی رٹ لگانا کہ حضور پر نور ﷺ کو فلاں چیز کا علم نہیں تھا محض سینہ زوری

ہے۔اس سلسلے میں علمائے دیوبند کے مفتی اعظم محمد شفیع صاحب کراچوی کا فیصلہ قابل ذکر وحفظ ہے،فرماتے ہیں

"جناب رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کے متعلق تقاضائے ادب یہ ہے کہ یوں نہ کہا جائے کہ آپ غیب نہیں جانتے تھے، بلکہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو امور غیب کا بہت بڑا علم دیا تھا جو انبیاء علیہم السلام میں سے کسی دوسرے کو نہیں ملا۔ (سیرت رسول اکرم ص ۲۷۳،معارف القرآن ۷/۹۶)

﴿حضور ﷺ مددگار ہیں﴾

قرآن پاک کا اعلان سنئے

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ (المائدہ۔۵۵)

ترجمہ: تمہارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ (پاک) ہے اور ایمان والے ہیں جو صحیح نماز ادا کرتے ہیں اور زکوۃ دیا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) وہ بارگاہ الٰہی میں جھکنے والے ہیں۔

اس سے اگلی آیت بھی ملاحظہ ہو

وَ مَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (المائدہ۔۵۶)

ترجمہ: اور (یاد رکھو) جس نے مددگار بنایا اللہ کو اور اس کے رسول کریم کو اور ایمان والوں کو (تو وہ اللہ کے گروہ سے ہیں اور) بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حقیقی مددگار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے، اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (یعنی اے اللہ ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں) سے اسی طرف اشارہ ہے، باقی رہ گیا دوسروں کا مددگار ہونا، تو ان دونوں آیتوں نے اس امر کی بھی وضاحت کر دی کہ حقیقی مددگار تو یقیناً صرف اللہ جل شانہ ہے مگر اس کے فضل سے اس کے حبیب مکرم ﷺ بھی بلکہ ان کے سچے غلام بھی مومنوں کے مددگار ہیں۔ ذرا سوچو اگر غیر اللہ کا مددگار ہونا شرک ہوتا تو ہجرت کے بعد اہل مدینہ کو قرآن نے بھی 'انصار' (مدد کرنے والے) کہا تو آخر کیوں۔ قرآن پاک کی متعدد آیات اس قسم کی مدد اور اس قسم کے مددگاروں کو ثابت کرتی ہیں۔ ہاں رحمۃ للعلمین بھی مددگار نہ ہوں تو آخر رحمۃ للعلمین ہونے کا مقصد ہی کیا ہے

حضور سے جو مانگو سو پاؤ

ہاں 'رحمۃ للعلمین' کی ترکیب کا فائدہ یہ بھی ہے کہ رحمۃ للعلمین ﷺ کے در بار در بار سے جو چاہو گے ملے گا۔

اللہ کے محبوب ﷺ سے جو چاہو سو مانگو

اللہ کے محبوب ﷺ کا دربار کھلا ہے

یقیناً یہ ارحم الراحمین جل مجدہ کے نائب و مظہر حضور رحمۃ للعلمین ﷺ ہیں ان

کے خداداد خزانے تمام عالمین کے لئے ہیں، اللہ نے حاجت روائی اور مشکلکشائی ہی کے لئے تو پیدا فرمایا ہے،

کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر ﷺ

کونین کی خاطر تمہیں سرکار بنایا ﷺ

کوئی سائل ہو، اس کی کوئی بھی حاجت ہو دنیا کی ہو کہ عقبیٰ کی، اس محبوب اکرم ﷺ سے مانگے، انھیں واضح ارشاد ہے

واما السائل فلا تنھر ○ (الضحیٰ۔۱۰)

ترجمہ: اور منگتا کو نہ جھڑکو

اب اس پر حکیم الامت کا حاشیہ ملاحظہ ہو

"خیال رہے کہ مال کا منگتا غنی کے دروازے پر جاتا ہے اور کمال کا منگتا کامل کے در پر، حال کا منگتا شیخ کے، دوا کا منگتا حکیم کے دروازہ اور داد کا منگتا حاکم کے دروازے پر، حضور ﷺ کا دروازہ وہ دروازہ ہے جہاں سارے منگتوں کا بھلا ہے، کیونکہ یہاں 'سائل' میں کوئی قید نہیں۔ پھر یہ تمام دروازے داتاؤں کے مرنے پر بند ہو جاتے ہیں۔ مگر حضور ﷺ کا دروازہ ہر منگتے کے لئے ہمیشہ کھلا رہے گا کہ حشر میں بھی حضور ﷺ ہی سے سارا عالم شفاعت کی بھیک مانگے گا کیونکہ یہاں زمانہ کی بھی قید نہیں جیسے مہربان باپ یہ دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ اس کے بیٹے کے دروازے فقرا کے لئے کھلے ہوں، ایسے ہی (بلا تشبیہ) رب اس سے خوش ہے کہ اس کے محبوب ﷺ

کے دروازے پر بھکاریوں کی بھیڑ ہو۔ لفظ سائل سے دو مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ حضور ﷺ سے ہر قسم کی دینی و دنیوی نعمتیں مانگنا جائز ہے۔ حضور ﷺ مجھے جنت، اولاد، ایمان دے دو، دوزخ سے بچالو وغیرہ کیونکہ رب نے عالم کو حضور ﷺ کا سائل قرار دیا۔ اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے شفا، جنت، اولاد مانگی ہے، جانوروں نے داد فریاد مانگی، دوسرے یہ کہ رب نے حضور ﷺ کے خزانے بھر دیئے ورنہ سائلوں کو وہاں نہ بھیجا جاتا، فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا ۔۔۔ الخ۔ ڈپو میں پہلے کھانڈ حکومت کی طرف سے جمع کر دی جاتی ہے پھر کارڈ والوں کو وہاں بھیجا جاتا ہے، تیسرے یہ کہ ہر جگہ سے حضور ﷺ سے مانگنا جائز ہے مدینہ پاک میں حاضر ہونے کی قید نہیں، چوتھے یہ کہ عالم طلبہ کو، مشائخ مرید صادق کو، غنی بھکاری کو نہ جھڑکیں کہ یہ سب سائلین ہیں، کبھی سائلین کے لباس میں کوئی مقبول بندہ بھی ہوتا ہے جو ہمارے امتحان کے لئے آتا ہے۔

حضور ﷺ نور بھی ہیں بشر بھی

قرآن پاک نے فرمایا

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ (المائدہ:۱۵)

ترجمہ: بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب

ایک اور مقام پر فرمایا

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ (الصف۔۸)

ترجمہ: وہ (نور کے منکر) اپنے منہ سے (پھونکیں مار کر) اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے خواہ کتنا ہی برا منائیں

سورۃ الاحزاب کی آیت اوپر آچکی جس میں حضور پرنور ﷺ کو سراجا منیرا فرمایا گیا ہے یعنی روشن کرنے والا سورج یا نور بنا دینے والا آفتاب جیسے حضور ﷺ کا نور ہونا قطعی ویقینی ہے، چنانچہ حضور پرنور ﷺ کے مبارک ناموں میں سے ایک نام پاک نور بھی ہے۔

رحمۃ للعلمین حصہ سوم کا ایک ایمان افروز اقتباس ملاحظہ ہو

"وہ نور ہے، اسی کے دین پر چلنے والا (فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ) [۳۹/الزمر۔۲۲] کے نورانی خلعت سے ممتاز ہے، اس کی لائی ہوئی کتاب کو نور بتایا گیا ہے۔ (وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ) [۷/الاعراف۔۱۵۷] اس نور کا اتباع کیا جو اس پر نازل کیا گیا ہے۔ اسی کا مبارک نام سورہ مائدہ میں نور بتلایا گیا ہے (قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ) [۵/المائدہ:۱۵]

خازن ومعالم میں نور کو نبی ﷺ کی ذات بتایا ہے۔ حضور ﷺ ہی وضوح امر اور تمکین نبوت میں نور ہیں اور حضور ﷺ کی تعلیم ہی تنویر قلوب کے لئے نور ہے۔

حبیب اللہ ﷺ کی دعائے ذیل پر غور کرو اور دیکھو کہ مجیب الدعوات سے روزانہ کس شے کا سوال ہے؟ کیا ذات سبحانی کسی کا سوال رد بھی فرماتی ہے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّسَارِيْ نُوْرًا وَّ فَوْقِيْ نُوْرًا وَّ تَحْتِيْ نُوْرًا وَّ اَمَامِيْ نُوْرًا وَ خَلْفِيْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ لِّيْ وَفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّفِيْ دَمِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ عَصَبِيْ وَّ فِيْ شَعْرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَشَرِيْ نُوْرًا ، اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ نُوْرًا

"الٰہی میرے قلب میں نور ہو، میری آنکھوں میں نور، میرے کانوں میں نور، میرے داہنے نور، میرے بائیں نور، میرے اوپر نور، میرے نیچے نور، میرے آگے نور، میرے پیچھے نور، نور کو میرا بنادے، میری زبان میں نور ہو، میرے خون میں نور ہو، میرے پٹھوں میں نور ہو، میرے بالوں میں نور ہو، میرے چہرے پر نور ہو، یا اللہ مجھے نور عطا فرما، یا اللہ میرے نور کو بڑھا، یا اللہ! مجھے نور ہی بنا"

کعب بن زہیر قصیدہ بانت سعاد میں کہتے ہیں

"اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ يُّسْتَضَاءُ بِهٖ"

حضور پرنور ﷺ تن مقدس کے ہر عضو اور ہر ذرے کو نور دیکھنا چاہتے ہیں۔ مگر بعض عیار و مکار منکرین نور خیر خواہ بن کر یہ بہانہ لگاتے ہیں بشر چونکہ نور سے افضل ہوتا ہے، اس لئے حضور ﷺ کو نور کہنا حضور ﷺ کی توہین ہے۔ اب اس حدیث نور یا دعائے نور پر غور فرمایئے۔ کیا حضور ﷺ نے 'معاذ اللہ' اپنی توہین کی دعا مانگی ہے اور آخری جملہ تو بالکل فیصلہ کن ہے 'مجھے نور بنا دے'۔ کیا اس بات سے واضح نہیں

ہوتا کہ بشر اور جن میں تناقض اور تضاد نہیں یعنی یہ بات نہیں کہ بشر نور نہیں ہوسکتا اور نور بشر نہیں ہوسکتا۔ اگر معاذ اللہ یہ بات ہوتی حضور ﷺ یوں کیوں دعا فرماتے، یا اللہ! مجھے نور بنا دے۔ دیکھئے قرآن پاک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے کچھ قبل حضرت جبریل علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام سے ملتے ہیں مگر کس انداز میں۔

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ (مریم۔۱۷)

ترجمہ: تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی بھیجا وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا

جب نور کے بنے ہوئے حضرت جبریل علیہ السلام پورے پورے بشر ہوسکتے ہیں تو بشر پورے پورے نور کیوں نہیں ہوسکتے۔ حقیقت یہ ہے بشر کا اطلاق بھی ظاہری شکل وصورت خصوصاً چہرے بشرے پر ہی ہوتا ہے، چنانچہ تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ (ص۔۷۱۔۷۲)

ترجمہ: جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا، بیشک میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں تو جب میں اسے درست کرلوں۔ اور اس میں اپنی طرف کی خاص روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ کرتے ہوئے گر جانا۔

اور سورۃ الحجر کی آیت ۲۸۔۲۹ میں یہی الفاظ ہیں

سوا اس کے بَشَرٌ مِّنْ طِيْنٍ کی بجائے بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ اور اس کا ترجمہ یوں ہوگا: میں بشر بنانے والا ہوں بجتی مٹی سے جو بدبودار سیاہ گارے سے ہے۔

اس دعائے نور ہی میں دیکھیں طفی بشری نور ا کا ترجمہ علمائے غیر مقلدین کے مایہ ناز عالم دین علامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے اسی طرح کیا ہے یعنی 'میرے چہرے پر نور ہو'، یہی وجہ ہے کہ مشہور آیت جو منکران نور کے زبان زد رہتی ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج (الکھف۔۱۱۰)

کا ترجمہ: اعلیحضرت فاضل بریلوی نے یوں کیا ہے

تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی کی جاتی ہے کہ تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

یہی آیت ہے جس کو پڑھ پڑھ کر حضور ﷺ کو عام لوگوں جیسا بشر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر آیت سے یہ مفہوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آج تک چند منافقین کے سوا امت میں کسی نے کشید نہیں کیا، اگر معاذ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہی مفہوم مراد لیتے تو بار بار فِدَاہُ اَبِیْ وَاُمِّیْ (یعنی میرے ماں باپ حضور ﷺ پر قربان) کیوں کہا کرتے۔ پھر جب حضور پر نور ﷺ اَیُّکُمْ مِثْلِیْ (تم میں کون ہے میری مثل) جیسے جملے ارشاد فرماتے تو صاف صاف عرض کرتے، حضور علیک الصلوۃ والسلام آپ کا یہ دعویٰ قرآنی جملہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے برعکس ہے۔ پھر دیکھا آپ نے، قرآن پاک نے یہ نہیں فرمایا

قُوْلُوْا اِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ مِّثْلُنَا

(کہا کرو وہ ہمارے جیسے بشر ہی ہیں)۔

بلکہ خود حضور پر نور ﷺ سے فرمایا کہ 'کہو میں تم جیسا بشر ہی ہوں' آخر ایسا کیوں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے

حبیب کریم ﷺ کو تواضع سکھائی اور ظاہر تواضع خود عظمت شان کی علامت ہے۔ مگر افسوس کم ظرف لوگ ہمیشہ تواضع کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک گواہ ہے اللہ کے معصوم نبی آدم علیہ السلام نے دعا مانگی تو عرض کیا

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا

(یعنی اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا)

اور حضرت یونس علیہ السلام نے دعا میں عرض کیا

اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

اسی طرح رب بھی اپنے پاک بندوں سے جن الفاظ میں چاہے، عتاب فرمائے کسی دوسرے کو ایسے الفاظ کی اجازت نہیں مثلاً کوئی شخص حضرت آدم یا حضرت یونس علیہما السلام کو ظالم کہہ دے تو کافر ہو جائے گا (البتہ مودودی صاحب کو شاید کہیں سے کوئی 'پرمٹ' مل چکا ہو کہ اللہ کے جس رسول، جس نبی اور جس محبوب کے بارے میں جو چاہیں کہیں، انھیں کچھ نہیں ہوگا۔) اس سلسلے میں سنئے فیصلہ، برصغیر میں سب سے پہلے علم حدیث لانے والے حضرت شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا

اگر از جانب حق ایشاں عتابے وخطابے رود یا سخن بروجہ عزت وکبریا آید یا از ایشاں بجناب کبریا سخن بر طریق تواضع و اظہار بندگی و مسکنت رود ما را نشاید کہ دراں مشارکت جوئیم و سخن جز بطریق ادب وملاحظہ علو شان وحفظ مرتبہ ایشاں گوئیم۔ خواجہ می رسد کہ با بندۂ خود ہر چہ خواہد گوید و بندہ نیز ہر چہ از عجز و مسکنت تمسک جوید۔ دیگرے را چہ مجال است کہ دم زند (اطیب البیان بحوالہ مرجع البیان)

ترجمہ: اگر انبیاء علیہم السلام کی طرف حق کی جانب سے کوئی عتاب و خطاب ہو یا کلام عزت و کبریائی کے طور پر جاری ہو یا خود وہ حضرات کبریا کی جناب میں تواضع واظہار بندگی و مسکینی کے طور پر کچھ عرض کریں تو ہم کو نہ چاہیے کہ اس میں شرکت ڈھونڈیں اور کوئی بات طریق ادب کے اور ان کے شان عالی اور حفظ مراتب کے خلاف کہیں مالک کا حق ہے کہ اپنے بندے کو جو چاہے فرمائے، بندہ بھی اس کی درگاہ میں جتنا چاہے عجز و مسکینی کرے۔ دوسرے کی کیا مجال

ایک اور انداز میں بحث کی جاسکتی ہے، علم معانی کی رو سے تشبیہ کے چار (اور بعض کے نزدیک پانچ) ارکان ہوتے ہیں۔

ا۔ مشبہ (جسے تشبیہ دی جائے)

۲۔ مشبہ بہ (جس کے ساتھ تشبیہ دی جائے)

۳۔ وجہ تشبیہ جس خصوصیت مشترکہ کے سبب ایک کو دوسرے تشبیہ دی جائے

اور حرف تشبیہ (یعنی جو لفظ تشبیہ کو ظاہر کرتا ہو) مثلاً ہم کہتے ہیں، زید شیر کی طرح بہادر ہے

زید، مشبہ، شیر مشبہ بہ، وجہ تشبیہ وصف مشترک ہے بہادر ہونا اور حرف تشبیہ ہے 'طرح'

اب قرآن پاک کی اس آیت پر غور کریں

اَنَا (یعنی 'میں') مراد ہے حضور علیہ السلام کی ذات پاک) کم (یعنی 'تم' مراد ہے عام بنی نوع انسان) مثل (یعنی طرح) حرف تشبیہ ہے۔ اب تلاش کرنا ہے وجہ تشبیہ

کو، اس کے لئے مزید الفاظ کے ساتھ آیت کا یہ پہلا حصہ لکھا جاتا ہے

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط

ترجمہ: تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں، مجھے وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود، معبود واحد ہے

ظاہر ہے وجہ تشبیہ یُوْحٰٓی اِلَیَّ (یعنی میری طرف وحی کی جاتی ہے) تو ممکن نہیں ہاں اَنَّمَآ اِلٰـهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ہی وجہ تشبیہ ہے۔ گویا حضور پرنور ﷺ اوروں کی طرح بشر ہیں تو اس بات میں، کہ حضور پرنور ﷺ کا اور دوسروں کا خدا ایک ہے۔ اگر ظاہری صورت بشری کی بنا پر مخالفین حضور پرنور ﷺ کو اپنے جیسا بشر مانتے ہیں تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہم ابوجہل اور ابولہب جیسے بشر ہیں۔ بلکہ دیکھئے ایک اور آیت

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ ط (الانعام: ۳۸)

ترجمہ: اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے دو بازوؤں سے لیکن وہ تمہاری جماعتیں ہیں

اگر تشبیہ کا نتیجہ مخالفین یہی لیتے ہیں تو اس آیت کی رو سے انہیں پر چار کرنا چاہئے کہ اشرف المخلوقات اور چوپائے چرند پرند سب ایک جیسے ہیں۔ حیرت ہے اپنے لئے اس قسم کے الفاظ نہیں، کیونکر سمجھتے ہیں انسان اور چرندوں وغیرہ میں مماثلت اور تشبیہ محض مخلوق ہونے میں ہے۔ اگر اپنے لئے الفاظ و تراکیب کے استعمال میں اتنی احتیاط ہے تو اس ذات ستودہ ﷺ کی صفات کو جو اپنے خالق و مالک کی یکتائی کی مظہر کامل ہے اپنی طرح کہنا اور سمجھنا کیونکر درست اور مبنی بر انصاف ہو سکتا ہے

حضور ﷺ کا دست مبارک اللہ جل مجدہ کا دست قدرت

خیال فرمائیے ادھر یہ بے نور وسرور لوگ ہیں جو حضور پرنور ﷺ کو اپنے جیسا بشر، اپنا بھائی، معاذ اللہ گاؤں کے چودھری کی طرح کہنے پر تلے ہوئے ہیں اور دوسری طرف سب کا مالک وخالق اس حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یہ بلندیاں عطا فرما رہا ہے کہ ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرما رہا ہے۔ جو خوش نصیب حضور پرنور ﷺ کے دست مبارک پر بیعت ہو رہے ہیں، ان کے بارے میں یہ اعلان فرما رہا ہے کہ وہ اللہ ہی سے بیعت ہو رہے ہیں کیونکہ ان کا دست مبارک دراصل اللہ کا دست قدرت ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ (الفتح۔۱۰)

ترجمہ: وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے (کنزالایمان)

حضور ﷺ کے دست مبارک کی حرکت خدا جل مجدہ کے دست قدرت کی قرار دی گئی

حضور ﷺ کے دست مبارک کو اللہ نے اپنا دست مبارک فرمایا تو اس دست مبارک کی ہر حرکت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (الانفال۔۱۷)

ترجمہ: اور تو نے نہیں (یہ کنکریاں) پھینکیں جبکہ تو نے پھینکیں بلکہ انھیں تو اللہ نے پھینکا

حضور پرنور ﷺ کا دست مبارک اللہ کا دست قدرت ہے تو جو حضور ﷺ

کو اپنی طرح بشر اور اسی شوق میں حضور کے دست مبارک کو اپنے ہاتھ جیسا کہتے ہیں، کیا قرآن پاک کی رو سے گویا وہ یہ نہیں کہہ رہے کہ ہمارا ہاتھ اللہ کے ہاتھ کی طرح ہے اور ہاتھ کی حرکت دست قدرت کی حرکت کی طرح ہے، کسی مخلوق کی عظمت اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے خود اللہ اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ اور اس کے پھینکنے کو اپنا پھینکنا قرار دے رہا ہے۔

کاش منافقوں کی آنکھیں کھلی ہوتیں اور محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت کے جلوے دیکھ سکتے۔

﴿حضور ﷺ زندہ ہیں﴾

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ۝ (البقرہ۔۱۵۴)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں، انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمہیں شعور نہیں

ظاہر ہے اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے وہی لوگ ہیں جو غلبہ اسلام، حفظ آئین اور ناموس رسالت کے لئے خاک و خون میں لڑتے ہیں۔ ذرا سوچئے جو رسول اللہ ﷺ کی غلامی و محبت میں خود حضور پر نور ﷺ کی ناموس پر قربان ہو جائے، وہ تو زندہ ہو، اسے مردہ کہنے سے بھی ممانعت ہو بلکہ اسے مردہ خیال کرنا بھی گناہ ہو جیسا کہ دوسری آیت میں صراحت ہے

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ (آل عمران۔۱۶۹)

ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے، ہرگز انھیں مردہ خیال نہ کر

نا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں

تو فرمایئے حضور پرنور ﷺ کی اپنی زندگی کتنی واضح اور نا قابل انکار ہوگی۔ پھر ایک اور بات ہے خود حضور پرنور ﷺ کو خیبر میں ایک یہودیہ نے جو زہر ملا گوشت پیش کیا تھا، معجزے کے طور پر اس کا فوری اثر نہیں ہوا، تاہم سال بسال اس کا اثر ہوتا تھا اور حضور ﷺ کا وصال بھی اسی سے ہوا تھا گویا یوں من یقتل فی سبیل اللہ میں شامل ہوکر حضور پرنور نے شہادت کو بھی شرف بخشا تھا۔

منکرین حیات کے ہاں ایک بہانہ ہے اور وہ اسے بار بار مضبوط سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ٥ (الزمر۔۳۰)

ترجمہ: بیشک تمھیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا

فرمایئے کیا شہدا جنھیں رب مردہ کہنے بلکہ مردہ خیال کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ کیا اس آیت کے حکم میں داخل ہیں یا نہیں اور اگر وہ میت ہونے کے باوجود زندہ ہیں تو حضور ﷺ اسی آیت کے حکم میں داخل ہونے کے باوجود زندہ ہیں بلکہ زندگی کی جان ہیں کیونکہ حضور رحمۃ للعلمین ہیں اور رحمۃ للعلمین پر بھی معاذ اللہ موت طاری ہو جائے تو کائنات کے لئے واسطۂ رحمت منقطع ہو جائے جو اس کی موت کے مترادف ہو گا۔ ہاں ہاں یہاں میت سے مراد محض روح کا بدن سے نکلنا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے حق میں محض ایک آن کے لئے ہوتا ہے روح نکلتی ہے اور فوراً نبی کے جسم پاک میں دوبارہ داخل کر دی جاتی ہے۔

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے
ایسی آنی کہ فقط آنی ہے
اور پھر آن کے بعد ان کی حیات
مثل سابق وہی جسمانی ہے

جہاں تک سید المرسلین امام الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا تعلق ہے۔ حضور پر نور ﷺ تو جان زندگی ہیں۔ روح انور بدن میں ہو نہ ہو، حضور پر نور ﷺ کی حیات میں فرق نہیں پڑتا جیسا کہ شق الصدر کے موقع پر ہوتا رہا کہ قلب انور جو روح کا صدر مقام ہوتا ہے جسم پاک سے باہر لایا جاتا۔ پھر بھی حضور ﷺ مسکراتے رہتے۔ ہاں آپ کی حیات مقدسہ دل یا روح کی محتاج نہیں بلکہ یاد رکھیں روحیں زندہ ہیں تو وہ بھی حضور پر نور ﷺ کے فیض نور سے زندہ ہیں۔ ہم نے قرآنی دلائل کا خود کو پابند رکھا ہے ورنہ بیسیوں احادیث مبارکہ سے انبیاء علیہم السلام کی حیات کا مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

دربار نبی ﷺ کی حاضری

قرآن پاک فرماتا ہے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء۔۶۴)

ترجمہ: اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے پاس حاضر ہوں، پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس کے حاشیے میں حکیم الامت مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"اس آیت میں ظلم و ظالم، زمان و مکاں میں کسی قسم کی قید نہیں، ہر قسم کا مجرم ہر زمانے میں خواہ کسی قسم کا جرم کرے تمھارے آستانے پر آجائے اور جاء و ک میں یہ قید نہیں کہ مدینہ منورہ ہی میں آئے بلکہ ان کی توجہ کرنا، یہ بھی ان کی بارگاہ میں حاضری ہے۔ اگر مدینہ پاک کی حاضری نصیب ہو جائے تو زہے نصیب۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی بارگاہ وہ شفا خانہ ہے جس میں ہر بیماری کی دوا ہے۔ کسی کو محروم واپس نہیں کیا جاتا آنے والا کوئی ہو"

"اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ توّاب اور رحیم اس کے لئے ہے جو حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو اور حضور ﷺ اس کے لئے دعا فرما دیں، ورنہ وہ قہار و جبار ہے۔ صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ جو آپ کے دروازے پر آجائے۔ وہ رب کو پائے گا مگر صفت رحمت میں، گویا حضور ﷺ رب کا پتا ہیں۔ اسی پتے پر اللہ ملتا ہے۔

حضور دنیا میں تشریف فرما تھے۔ تو بھی رحمۃ للعلمین تھے اور دنیا سے تشریف لے گئے تو بھی رحمۃ للعلمین ہیں۔ یونہی وصال شریف سے پہلے بھی حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضری ضروری تھی، اب بھی ہے کیونکہ وصال شریف کے بعد بھی اسی طرح زندہ ہیں اور یہ امت کے لئے از حد باعث برکت ہے۔ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَاُحَدِّثُ لَكُمْ وَوَفَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ اَعْمَالُكُمْ فَمَا رَاَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُّ اللّٰهَ عَلَيْهِ وَمَا رَاَيْتُ مِنْ شَرٍّ اِسْتَغْفَرْتُ اللّٰهَ لَكُمْ (سیرت رسول عربی بحوالہ بزار بروایت صحیح)

ترجمہ: میری زندگی تمہارے حق میں بہتر ہے تم مجھ سے بات کرتے ہو، میں تم سے بات کرتا ہوں۔ اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش ہوا کریں گے۔ میں اچھے اعمال دیکھ کر اللہ کا شکر کروں گا اور برے اعمال کو دیکھ کر تمہارے لئے اللہ سے بخشش مانگا کروں گا

ایک اور حدیث مقدس ملاحظہ ہو

مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ

(دار قطنی ۱/۲۷۸)

ترجمہ: جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا (ظاہری) حیات میں میری زیارت کی

یہ ہیں آیت کے لفظ جآء و ک کی برکات جو کثیر التعداد احادیث سے بھی ثابت ہیں۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں

مجرم بلائے آئے ہیں، جاء وک ہے گواہ
پھر رد ہوں کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

منافقین کا طرز فکر و عمل: منافقین چونکہ دل کے کافر تھے اور محض معلنّا زبان سے ایمان کا اعلان کرتے تھے لہذا ان کی فطرت کافروں سے بھی زیادہ تاریک ہو چکی تھی اور انھیں حضور اکرم ﷺ کے فضائل و کمالات سے انکار ہی نہیں تھا، سخت چڑتھی، امت مسلمہ کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع بھی ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔ حضور پرنور ﷺ کی شان میں بار بار گستاخیاں کرتے تھے اور پھر شکایت ہونے پر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر

اپنی صفائی پیش کرتے تھے۔ یوں تو ابوجہل اور ابولہب جیسے کفار کو بھی اللہ کے حبیب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم سے ضد تھی مگر وہ حضور پرنور ﷺ کے کم از کم اخلاقی کمالات کے معترف تھے اور الصادق اور الامین تسلیم کرتے تھے مگر مدینہ منورہ کے منافق ان سے بھی گئے گزرے تھے ان جہنم کے اندھوں کو حضور پرنور ﷺ کی ذات منبع کمالات میں کسی قسم کی ظاہری واخلاقی خوبی بھی نظر نہیں آتی تھی۔ ان کی منافقانہ سیرت کے صرف چند گوشے یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

منافق کلمہ پڑھتے ہیں مگر صرف زبان سے: قرآن پاک فرماتا ہے

اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنفقون۔۱)

ترجمہ: (اے نبی مکرم) جب منافق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔

(ضیاء القرآن)

قسمیں بہت کھاتے ہیں

حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کر کے مکر جاتے ہیں اور اپنے ایمان کا اظہار قسموں کے ذریعے کرتے ہیں۔

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا

بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ (التوبہ:۷۴)

ترجمہ: اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انھوں نے نہ کہا اور بیشک ضرور انھوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آکر کافر ہو گئے۔

قسمیں مسلمانوں کو راضی کرنے کے لئے

قرآن پاک میں ہے

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ (التوبہ۔۶۲)

ترجمہ: تمھارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ تمھیں راضی کرلیں اور اللہ اور رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے

منافقین شفاعت رسول ﷺ کے منکر اور اس کا نتیجہ

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کا یہ طریقہ تھا کہ جب حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے تو وہ کھڑا ہو جاتا اور خوشامد کرتے ہوئے کہتا هٰذا رسولُ اللّٰه اَكْرَمَهُ اللّٰهُ وَاَعَزَّهٗ وَنَصَرَهٗ (یہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں عزت و نصرت عطا فرمائے) جب احد کے بعد اس کا نفاق واضح ہو گیا تو پھر اس نے کسی موقع پر کھڑے ہو کر یہی الفاظ دہرائے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اللہ کے دشمن! تیرا کفر اب چھپائے نہیں چھپ سکتا۔ دوسرے حاضرین نے بھی اسے ملامت کی چنانچہ نماز پڑھے بغیر غصہ سے بل کھاتا ہوا وہ مسجد سے نکل کر چلا گیا۔ راستے میں کسی نے اسے کہا کہ کدھر بھاگے جا رہے ہو۔ حضور ﷺ کی خدمت میں جاؤ اور ان کا دامن کرم پکڑلو

اور اپنی بخشش اور مغفرت کے لئے عرض کرو۔ اس بدبخت نے کہا

"مَا اُبَالِیْ اِسْتَغْفِرْلِیْ اَوْلَمْ یَسْتَغْفِرْ (وہ میرے لئے مغفرت کی دعا مانگیں یا نہ مانگیں مجھے ذرا پروا نہیں) یعنی مجھے ان کی مغفرت کی دعا کی ضرورت نہیں تو یہ آیت نازل ہوئی اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (التوبہ۔۸۰)

ترجمہ: آپ بخشش طلب کریں ان کے لئے یا نہ کریں۔ اگر آپ بخشش طلب کریں ان کے لئے ستر بار جب بھی نہ بخشے گا اللہ تعالیٰ انھیں یہ محض اس لئے کہ انھوں نے انکار کیا اللہ کا اور اس کے رسول (مکرم) کا اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا نافرمان قوم کو (ضیاء القرآن ج ۲)

﴿بارگاہ نبی میں حاضری سے گریز﴾

اسی قسم کی صورت حال تھی جب یہ آیت نازل ہوئی

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (المنافقون۔۵)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے معافی چاہیں تو اپنے سر گھماتے ہیں اور تم انھیں دیکھو کہ غرور کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں۔

منافقین نہیں جانتے کہ عزت کس کی ہے

عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے غزوہ مریسیع میں اپنے ساتھی منافقین کے سامنے کہا تھا کہ مدینے پہنچ کر عزت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ط وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ O (المنفقون ـ ۸)

ترجمہ: کہتے ہیں ہم مدینہ پھر کر گئے تو ضرور جو بڑی عزت والا ہے، اس میں سے نکال دے گا اسے جو نہایت ذلت والا ہے اور عزت تو اللہ اور اس رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں

فساد پھیلا کر خود کو مصلح سمجھتے ہیں

قرآن پاک فرماتا ہے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ O اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ

(البقرہ: ۱۱ـ۱۲)

ترجمہ: اور جو ان سے کہا جائے زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں ہم تو سنوارنے والے ہیں۔ سنتا ہے وہی فسادی ہیں مگر انہیں شعور نہیں۔

ان کا ایمان عام مومنوں سے نہیں ملتا

قرآن پاک میں ہے

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۝

(البقرہ۔۱۳)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہیں کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں۔ سنتا ہے وہی احمق ہیں مگر جانتے نہیں۔ (کنزالایمان)

اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ منافق اقلیت میں ہو کر مسلمانوں کی اکثریت حتیٰ کہ پاکان امت کو بھی معاذ اللہ احمق سمجھتے ہیں۔

﴿علم غیب کا انکار﴾

ایک دفعہ ایک منافق نے کہا تھا

یُحَدِّثُنَا مُحَمَّدٌ اَنَّ ناقة فلان بواد کذا و کذافی یوم کذا و کذاوما یدریه الغیب

ترجمہ: محمد (ﷺ) ہمیں بتاتے ہیں فلاں شخص کی اونٹنی فلاں دن فلاں وادی میں تھی، وہ غیب کیا جانیں۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْؕ (التوبہ:۶۵،۶۶)

ترجمہ: اور (اے محبوب) اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے ہم تو یونہی

ہنسی کھیل میں تھے، تم فرماؤ کیا اللہ اوراس کی آیتوں اوراس کے رسول سے ہنستے ہو، بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر (کنزالایمان)

مولانا نور بخش توکلی فرماتے ہیں جو شخص حضور پرنور ﷺ کے علم غیب کا مطلقاً انکار کرتا ہے، اسے آیہ ذیل اوراس کا شان نزول مطالعہ کرنا چاہیے سیرت رسول عربی (آیہ ذیل یہی اوپر کی آیت ہے)

﴿منافقین مسجد کیوں بناتے ہیں﴾

منافقوں نے مسجد بنائی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا و تفريقام بين المومنين وارصاد المن حارب الله و رسوله من قبل ط وليحلفن ان اردنا الاالحسنىٰ ط والله يشهد انهم لكذبون ٥ لا تقم فيه ابدا ط (التوبہ۔۱۰۷،۱۰۸)

ترجمہ: اور جنھوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اوراس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اوراس کے رسول کا مخالف ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے۔ ہم نے تو بھلائی چاہی اور اللہ گواہ ہے کہ بیشک وہ جھوٹے ہیں، اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہونا۔ (کنزالایمان)

حضور ﷺ نے اس مسجد کو ڈھانے اور جلانے کا حکم دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضورانور ﷺ کو کس طرح مانتے تھے

اب آخر میں یہ وضاحت کی جاتی ہے (اور وہ بھی نہایت اختصار کے ساتھ) کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور پرنور ﷺ کو کس طرح مانتے تھے اور ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک ﷺ کا کیا مقام تھا۔ کیونکہ ان کا ایمان اور طرز فکر وعمل دوسروں کیلئے معیارِ حق وہدایت ہے چنانچہ انھیں مخاطب کرکے قرآن پاک فرماتا ہے

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ (البقرہ۔۱۳۷)

ترجمہ: پھر اگر وہ بھی یونہی ایمان لائے جیسا تم لائے، جب تو وہ ہدایت پاگئے اور اگر منہ پھیریں تو وہ نری ضد میں ہیں۔

اور حضورانور ﷺ نے فرمایا

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ (مشکوٰۃ بحوالہ رزین)

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں۔ ان میں جس کی بھی پیروی کرو گے، ہدایت پاجاؤ گے

حضور ﷺ کو قرآن پاک کی رو سے کیسے ماننا چاہئے، یہ مختصر سی بحث اوپر آگئی، یہ آیات کا حوالہ تھا۔ اب یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیسے اس پر عمل کیا، یہ روایات کا حوالہ تھا۔

اللہ کریم کے ساتھ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ذکر

گذشتہ صفحات میں آپ نے نمونہ کے طور پر صرف چند آیات ملاحظہ فرمائی ہیں جن میں اللہ جل مجدہ نے اپنے ساتھ اپنے حبیب اکرم ﷺ کا ذکر خیر فرمایا۔ اس کا

اثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ تھا کہ وہ بھی اٹھتے بیٹھتے اللہ جل شانہٗ کے نام پاک کے ساتھ حضور پرنور ﷺ کا نام پاک لیتے تھے۔ آج بھی عاشقان رسول ﷺ بیٹھتے اٹھتے یہ دونوں پاک نام لیتے ہیں مثلاً اس قسم کے جملے اللہ نبی جانیں، اللہ نبی وارث، اللہ نبی کا واسطہ، اللہ نبی کا کرم (جل وعلا فصلی اللہ علیہ والہ وسلم) اگر چہ 'فاسقان امت' اسے برداشت نہیں کرتے۔ آیئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل دیکھیں۔ یہاں صرف چند روایات ہوں گی اور کوشش کی جائے گی کہ اختصار اور گنجائش کے پیش نظر، روایات کا بھی وہی حصہ دیا جائے جو عنوان کا تقاضا ہے۔ زیادہ تفصیل کے لئے دیکھئے اعلیحضرت مجدد ملت فاضل بریلوی کی تصنیف لطیف 'الامن والعلی'۔ درج ذیل روایات اسی سے لی گئی ہیں ان میں بعض خود حضور ﷺ کے ارشادات ہیں جو ظاہر ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

۱۔ اللہ و رسول حافظ و نگہبان ہیں: حضور ﷺ فرماتے ہیں

اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ مَوْلٰی مَنْ لَّا مَوْلٰی لَہٗ

(ترمذی، ابن ماجہ عن امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: جس کا کوئی نگہبان نہ ہو، اللہ و رسول اس کے نگہبان ہیں

۲۔ جان و مال کے مالک: جب حضور ﷺ نے غزوہ حنین کے بعد مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم فرما دیا تو بنو ہوازن کے سردار کرم کی التجا لے کر حاضر خدمت ہوئے تو رحمۃ للعلمین ﷺ نے فرمایا

مَا کَانَ لِیْ وَ لِعَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَھُوَ لَکُمْ (جو کچھ میرے اور بنی عبد المطلب کے حصے میں آیا، وہ تمہیں بخش دیا) اس پر قریش نے کہا مَا کَانَ لَنَا فَھُوَ لِلّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ (جو

کچھ ہمارا ہے، وہ سب اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ کا ہے) اور انصار نے کہا ما کان لنا فھو للہ و رسولہ (جو کچھ ہمارا ہے، وہ سب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے

﴿اللہ اور رسول کا غضب﴾

حضور ﷺ نے اہل مدینہ کو اللہ کے احسانات اور اپنی برکات کا ذکر فرمایا تو انصار ہر کلمے پر عرض کرتے جاتے ہیں

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَ مِنْ غَضَبِ رَسُوْلِہٖ

ترجمہ: ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اللہ کے غضب اور رسول اللہ ﷺ کے غضب سے

﴿اللہ و رسول کا فضل و احسان﴾

اسی واقعے میں ہے کہ حضور اکرم و اعظم ﷺ نے فرمایا الا تجیبون (تم جواب کیوں نہیں دیتے) تو انصار نے عرض کی

اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَمَنُّ وَ اَفْضَلُ (بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ)

ترجمہ: اللہ اور رسول اللہ کا احسان زائد ہے اور فضل زیادہ ہے۔

﴿زمین اللہ و رسول کی﴾

فرماتے ہیں

اِعْلَمُوْا اَنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ وَ لِرَسُوْلِہٖ (بخاری)

ترجمہ: جان رکھو کہ زمین کے مالک اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہیں

﴿اللہ اور اس کے رسول پر بھروسا﴾

حضرت عبداللہ بن سلامہ صحابی بن صحابی رضی اللہ عنہ نے نکاح کرنا چاہا مگر مہر

کی رقم پاس نہیں تھی تو بولے علی اللہ و رسولہ (اللہ اور اس کے رسول کے بھروسے پر) چنانچہ حضور انور ﷺ سے عرض کی تو بندوبست ہو گیا۔ (الامن والعلی بروایت واقدی)

اللہ اور رسول اللہ کی طرف توبہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تصویردار قالین خریدا حضور انور ﷺ باہر سے تشریف لائے تو دروازے پر ہی رونق افروز رہے۔ ام المومنین نے چہرہ انور پر اثر ناراضی پایا تو بولیں

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ مَا ذَا اَذْنَبْتُ (صحیحین)

ترجمہ: یارسول اللہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں، مجھ سے کیا خطا ہوئی۔

اس طرح صدیق وفاروق سمیت چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جبر وقدر پر بحث کر رہے تھے کہ حضور پرنور ﷺ باہر سے تشریف لے آئے۔ چہرہ انور پر سخت ناراضی کے آثار تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ دیکھتے ہی حضور ﷺ کی طرف (عاجزی سے کلائیاں کھولے ہاتھ تھرتھراتے کانپتے کھڑے ہوئے اور عرض کی

تُبْنَا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ

(ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف توبہ کی، جل وعلا صلی اللہ علیہ وسلم) (طبرانی کبیر)

اللہ و رسول ﷺ کے لئے صدقہ

حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوئی تو عرض گزار ہوئے

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ مِنْ تَوْبَتِیْ اَنْ اَنْخَلِعَ مِنْ مَالِیْ صَدَقَۃً اِلَی اللّٰہِ وَ اِلٰی رَسُوْلِہٖ ﷺ (صحیحین)

ترجمہ: یارسول اللہ میری توبہ کی تکمیل یہ ہے میں اپنے سارے مال سے نکل جاؤں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے لئے صدقہ کر کے

ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ہے

اَیْ صَدَقَةٌ خَالِصَةٌ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاِلٰی اللّٰه بِمَعْنَی اللَّامِ یعنی اللہ اور رسول کی طرف سے مراد اللہ و رسول کے لئے ہے کیونکہ یہاں الٰی کا معنی ہے ل

اسی طرح حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوئی یہ الفاظ انھوں نے بھی کہے (طبرانی کبیر)

﴿اللہ ورسول ﷺ کافی﴾

حضور ﷺ نے دجال کے ذکر میں فرمایا

اَبْشِرُوْا فَاِنْ يَّخْرُجَ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ فَاللّٰهُ كَافِيْكُمْ وَرَسُوْلُهٗ

ترجمہ: خوش ہو کہ اگر وہ نکلا اور میں تم میں تشریف فرما ہوا تو اللہ اور اس کا رسول ﷺ تمہیں کافی ہوں گے (طبرانی کبیر)

﴿اللہ ورسول ﷺ نے نعمت دی﴾

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں گزر چکا کہ اللہ نے فرمایا جسے اللہ نے نعمت دی اور (اے محبوب) تو نے نعمت دی۔ (الاحزاب)

اب حضور اکرم ﷺ کا ارشاد سنئے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے بارے میں

اَحَبُّ اَهْلِيْ مَنْ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتُ عَلَيْهِ (ترمذی)

ترجمہ: مجھے اپنے گھر والوں میں سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جسے

اللہ نے نعمت دی اور میں نے نعمت دی۔

بچے اللہ ورسول ﷺ کے سپرد

ایک مقدس خاتون نے عرض کی انا امرءۃ مصیبۃ (یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم) میں بچوں والی ہوں گویا ان کی پرورش کا خیال بھی ہے) تو سید عالم رحمۃ للعلمین ﷺ نے فرمایا

هُمْ اِلَى اللّٰهِ وَ اِلٰى رَسُوْلِهٖ

ترجمہ: وہ اللہ اور رسول اللہ کے سپرد ہیں جل وعلا فصلی اللہ علیہ وسلم

(مسند احمد۔نسائی)

اللہ اور رسول ﷺ کو گھر والوں کے لئے باقی رکھا

غزوہ تبوک کے موقع پر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور پر نور ﷺ کی خدمت میں جہاد کے لئے بڑھ چڑھ کر نذرانے پیش کر رہے تھے، اس وقت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ آدھا مال لے کر حاضر ہوئے، پھر جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال نذر کیا تو سرکار دوعالم ﷺ نے پوچھا یَا اَبَا بَکْرٍ مَا اَبْقَیْتَ لِاَھْلِکَ (ترجمہ: اے ابوبکر تو نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا باقی رکھا) عرض کیا اَبْقَیْتُ لَھُمُ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَهٗ (میں نے گھر والوں کیلئے اللہ ورسول کو باقی رکھا)

دیکھئے حضور ﷺ سامنے بھی جلوہ افروز ہیں اور صدیق رضی اللہ گھر والوں کے لئے باقی رکھ آئے ہیں۔ سوچئے 'حاضر و ناظر' کا عقیدہ کتنا پختہ ہے

جو چاہے اللہ اور چاہیں حضور ﷺ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور پرنور ﷺ نے فرمایا

لَا تَقُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰہُ وَشَآءَ فُلَانٌ وَّلٰکِنْ قُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ شَآءَ فُلَانٌ (احمد، ابوداؤد)

ترجمہ: یوں نہ کہو کہ اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہا کرو اللہ چاہے پھر فلاں چاہے۔

مشکوۃ شریف میں اسی حدیث کے ساتھ ہی ایک اور روایت ہے۔ الفاظ یوں ہیں

وَفِیْ رِوَایَۃٍ مُنْقَطِعًا قَالَ لَا تَقُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰہُ وَشَآءَ مُحَمَّدٌ وَقُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ (رواہ شرح السنۃ)

ترجمہ: اور ایک منقطع روایت (جس کی سند حضور پر نور ﷺ تک نہیں پہنچتی) حضور پر نور ﷺ نے فرمایا یوں نہ کہا کرو کہ جو اللہ چاہے اور محمد مصطفیٰ چاہیں بلکہ یوں کہا کرو جو اللہ واحد چاہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی اس دوسری روایت کو دلیل بنا کر پہلی روایت کو نظر انداز کر دیتے ہیں حالانکہ دوسری روایت کے بارے میں "منقطع" صاحب مشکوۃ نے خود فیصلہ کیا ہے اس کی سند حضور پر نور ﷺ تک نہیں پہنچتی۔ چونکہ پہلی روایت سے شان مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثناء) کو چھپانے کا ناپاک مقصد پورا نہیں ہوتا تھا، اس لئے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ دوسری روایت سے استدلال کیا اور صاف بک دیا کہ "رسول کے چاہنے سے نہیں کچھ نہیں ہوتا"۔ حالانکہ پہلی روایت جو متصل ہے اس میں "واؤ" کی بجائے "ثم" کہنے کی تلقین فرمائی۔ ظاہر ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ماشاء اللہ وشاء محمد کہتے تھے۔ اس سے بعض لوگوں کو کم فہمی ہو سکتی تھی کہ شاید اللہ اور اس کے رسول کو برابر قرار دیا جا رہا ہے لہذا از روئے احتیاط کلموا الناس علی قدر عقولھم (لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق

کلام کرو) کے مصداق 'وٗ' کی بجائے 'ثم' کہنے کا حکم ارشاد ہوا۔ حضور پرنور ﷺ نے اسے 'شرک' نہیں فرمایا (جیسا کہ اسمٰعیل نے ظاہر کیا) ورنہ اگر 'واؤ' سے شرک ہی ہوتا تو قرآن پاک کی کتنی آیات اوپر گزریں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی کتنی روایات مذکور ہوئیں جن میں یہی 'واؤ' ہے۔ معاذ اللہ قرآن پاک بھی شرک اور شرک سکھانے سے پاک ہے، اور رسول پاک ﷺ بھی۔ ویسے بھی اگر 'واؤ' سے شرک ہوتا ہو اور 'ثم' سے نہیں۔ تو کیا یوں کہنا ٹھیک ہوگا کہ خلق اللہ ثم خلق رسولہ (کہ اللہ نے پیدا کیا پھر اس کے رسول نے پیدا کیا)

یقیناً جس طرح خلق اللہ و خلق رسولہ (اللہ نے پیدا کیا اور اس کے رسول نے پیدا کیا) اسی طرح یہ جملہ بھی شرک ہے۔ لہٰذا ثم کہنے سے شرکیہ جملہ شرک سے پاک نہیں ہوتا لہٰذا اسمٰعیل دہلوی کا یہ وہم غلط ہے کہ ما شاء اللہ وشاء محمد میں شرک ہوتا تھا، اس لئے اس سے منع کیا گیا۔ مثلاً ایک حدیث پاک میں ہے کہ کوئی آقا اپنے غلام کو 'میرا بندہ' 'میری بندی' نہ کہے تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس سے شرک ہو جاتا ہے، مقصود یہ ہے کہ اس سے غرور وتکبر پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک کے الفاظ ہیں

لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُ کُمْ عَبْدِیْ وَ اَمَتِیْ کُلُّکُمْ عبید اللّٰہ وَ کل نِسَاءُ کُمْ اِمَاءُ اللّٰہِ وَلٰکِنْ لِیَقُلْ غُلَامِیْ وَ جَارِیَتِیْ وَ فَتَامِیَ وفَتَاتِی...........الخ (مسلم)

ترجمہ: تم میں سے کوئی 'میرا بندہ' اور 'میری بندی' نہ کہے کیونکہ تم سب اللہ کے بندے اور تمھاری سب عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں بلکہ یوں کہے 'میرا غلام، میری کنیز یا میری خادمہ

ظاہر ہے امت کو تواضع سکھائی جا رہی ہے، ورنہ بندہ اور بندی کی نسبت خود

قرآن حکیم میں انسانوں کی طرف کی گئی ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ط (النور۔۳۲)

ترجمہ: اور نکاح کر دو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا

'عبد' 'عباد' کا واحد ہے اور 'امۃ' 'اماء' کا۔ تو جس بات سے حدیث پاک نے روکا، وہ قرآن پاک میں آ گئی۔ بندۂ مومن کا قرآن پاک پر بھی ایمان ہے اور حدیث پاک پر بھی۔ دونوں حق ہیں۔ اللہ فرمائے، اسے حق ہے وہ مالک حقیقی ہے۔ بندہ کسی کو اپنا بندہ نہ کہے، یہ تواضع کا تقاضا ہے تاہم بندہ کہنے سے شرک لازم نہیں آتا۔ یہی صورت حال لا تقولو ما شاء اللہ و شاء فلان مگر جہاں تواضع کی بجائے محض احتیاط ہے کہ کوئی کم عقل کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے ورنہ اگر شرک ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یوں نہ کہا کرتے اور کہتے تو حضور انور ﷺ فوراً ٹوک دیتے، ایک عرصہ بعد ایسا نہ کرتے (جیسا کہ اس مضمون کی کئی طویل حدیثوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔ تفصیل کے لئے 'الامن والعلی' کی طرف رجوع کریں)

ہاں اس سلسلے میں دہلوی صاحب نے حدیث منقطع کو دلیل بنا کر جو نتیجہ اخذ کیا ہے۔ وہ بہت خطرناک اور شیطانی و کفرانی ہے۔ اس نے اپنی گستاخانہ فطرت کے مطابق یہ بکا ہے کہ 'رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا' معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ بدبخت بھول گیا کہ رسول کے چاہنے سے صدیوں کا بت خانہ اہل ایمان کا قبلہ بنا اور اللہ کریم جل مجدہ نے جسے اپنا حبیب بنایا ہے، جسے اپنا خلیفہ اعظم نامزد فرمایا ہے، جسے اپنی نعمتوں کا قاسم و

خازن بنایا ہے، کیوں نہ دنیا و عقبیٰ میں جو ہو، بلکہ جس کی قدر و منزلت کے اظہار کے لئے ساری مخلوق پیدا فرمائی ہے کیوں نہ اسی کے اشارے سے سب کچھ ہو۔

حضور ﷺ حاضر و ناظر ہیں

حاضر و ناظر کا سادہ سا مفہوم پہلے سمجھ لیجئے۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں 'جہاں تک ہماری نظر کام کرے، ہم ناظر ہیں اور جس جگہ تک ہماری دسترس ہو کہ تصرف کر لیں وہاں تک ہم حاضر ہیں، چونکہ ساری کائنات حضور پر نور ﷺ کی نظر میں ہے اور اللہ کے فضل سے یہ ہر کہیں تصرف فرماتے ہیں۔ لہٰذا اس معنی میں اللہ کے مظہر کامل حضور پر نور ﷺ کائنات میں ہر کہیں حاضر و ناظر ہیں۔ اسی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ حضور پر نور ﷺ ایک جگہ جلوہ فرما ہو کر سارے جہان کو دیکھتے اور تصرف فرماتے ہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر جلوہ افروز ہوتے ہیں اور تیسری صورت یہ ہے کہ کائنات حضور پر نور ﷺ کے نور سے بنی ہے لہٰذا اس کے ذرے ذرے میں حضور پر نور ﷺ کی روحانیت کی جلوہ گری ہے پہلی صورت بشریت کے اعتبار سے حضور ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کی ہے، دوسری صورت میں نورانیت کے اعتبار سے حضور ﷺ کا حاضر ہونا ہے جیسے ملک الموت کہ ایک آن ہی روئے زمین کے شرق و غرب میں سینکڑوں لوگوں کی جانیں نکالتے ہیں، تیسری صورت مظہریت کاملہ کے اعتبار سے حضور ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا ہے۔ بقول حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمہ

ذات احمد ﷺ ہے وہ بحر بے کراں
جس کا اک قطرہ ہے یہ کون و مکاں

پہلی دو صورتیں اپنی اپنی شان کے لائق حضور پرنور ﷺ کے نائبوں اور غلاموں کو بھی میسر ہیں، تیسری صورت حضور پرنور ﷺ سے خاص ہے اس لئے کہ حضور ﷺ اصل موجودات ہیں پہلی دونوں صورتیں انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات اور اولیائے عظام علیہم الرضوان کی کرامات میں آپ کو بار بار نظر آئیں گی۔ مثلاً معراج کی شب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک ہی وقت میں اپنی قبر میں نماز پڑھنا، بیت المقدس میں اقتدا کرنا اور آسمانوں میں موجود ہونا حدیث پاک سے ثابت ہے۔ یہ دوسری صورت ہے تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قرآن پاک کی رو سے آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی دیکھنا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مسجد نبوی شریف کے منبر پر بیٹھ کر دور دراز کے فاصلے پر نہاوند میں حضرت ساریہ کو پکار کر ان کی رہنمائی کرنا صورت اول میں داخل ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور پرنور ﷺ کے کمالات وتصرفات کے عینی گواہ تھے ان کا ایمان گویا شہودی تھا۔ بلکہ ظاہر ہے باقی امت تک انھیں نے یہ واقعات پہنچائے ہیں لہذا ان کے مشاہدے پر مبنی ایمان کا جواب کون دے سکتا ہے۔ اسی ایمان کی بنا پر ان کا اخلاص اور اجر بھی ساری امت سے زیادہ ہے۔ ان کے ہزاروں لاکھوں مشاہدات قید تحریر میں لانا ناممکن تھا تاہم محدثین کا احسان ہے جو کہ انھوں نے رات دن محنت کر کے ان روایات کو مرتب کیا۔ یہاں گنجائش نہ ہونے کے سبب گنتی کی چند روایات واقعات درج کیے جاتے ہیں

حضور ﷺ نے اللہ کا دیدار کیا اور پھر؟

حضرت عبدالرحمن بن عائش رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور پرنور ﷺ نے فرمایا

رَأَیْتُ رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ فَقَالَ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی قُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ کَفَّهٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ حَتّٰی فَوَجَدْتُّ بَرْدَهَا بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَتَلَا وَکَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرَاهِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ○

ترجمہ: میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا۔ تو رب نے پوچھا کہ مقرب فرشتے کس چیز میں جھگڑتے ہیں، میں نے عرض کیا' تو بہتر جانتا ہے تو فرمایا، سو رب نے اپنا دست قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی تو میں نے جان لیا جو کچھ بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہے،

اس کے بعد حضور ﷺ نے قرآنی تلاوت فرمائی وَکَذٰلِکَ۔۔۔۔ یعنی اس طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی مملکت دکھائی تا کہ وہ پختہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ (مشکوۃ بحوالہ دارمی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عقیدہ

"حضور پرنور ﷺ ہر مومن کے اس کی جان سے نزدیک تر ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُّؤْمِنٍ وَاَنَا اَوْلٰی بِهٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اِقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

ترجمہ: حضور پرنور ﷺ نے فرمایا، کوئی مومن نہیں مگر میں دنیا و

آخرت میں اس کے قریب ترین ہوں اگر تم چاہو تو پڑھ لو النبی
...... یعنی یہ نبی مومنوں کے ان کی جانوں سے بھی قریب ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا عقیدہ

ساری زمین حضور پرنور ﷺ کے پیش نظر ہے ان کی روایت ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْھَا وَاُعْطِیْتُ الْکَنْزَیْنِ الْاَحْمَرَ وَالْاَبْیَضَ (مسلم شریف)

ترجمہ: حضور ﷺ فرماتے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین سمیٹ دی اور میں نے مشارق اور مغارب دیکھ لئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عقیدہ

آپ فرماتے ہیں کہ رسول اعظم و اکرم ﷺ نے قاصد کے آنے سے پہلے غزوہ موتہ کا نقشہ بیان فرما دیا۔ چنانچہ پوری روایت کا ترجمہ:

"نبی اکرم ﷺ نے حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر آنے سے پہلے ان لوگوں کی شہادت کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا کہ زید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور شہید ہو گئے پھر جعفر نے جھنڈا لیا اور شہید ہو گئے۔ (رضی اللہ عنہ) پھر ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا اور شہید ہو گئے۔ بیان فرما رہے تھے اور چشم مبارک سے آنسو جاری تھے۔ پھر اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار یعنی خالد بن ولید نے جھنڈا لیا حتیٰ

کہ مسلمانوں کو اللہ نے فتح عطا فرمائی (بخاری)

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا عقیدہ

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق حضور پر نور ﷺ نے فرمایا

مَا مِنْ شَیْءٍ لَّمْ اَکُنْ اُرِیْتُہٗ اِلَّا وَقَدْ رَاَیْتُہٗ فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا حَتَّی الْجَنَّةَ وَالنَّارَ (بخاری کتاب الجمعہ)

ترجمہ: کوئی ایسی چیز جو مجھے نہیں دکھائی گئی تھی، آج اسی جگہ دیکھ لی یہاں تک جنت اور دوزخ کو بھی دیکھ لیا۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا عقیدہ

جو دوسروں کو نظر نہیں آتا، حضور پر نور ﷺ دیکھتے ہیں، حضرت اسامہ کی روایت کے مطابق حضور پر نور ﷺ نے مدینہ شریف کے ایک ٹیلے پر چڑھ کر فرمایا

هَلْ تَرَوْنَ مَا اَرٰی اِنِّیْ اَرٰی مَوَاقِعَ الْفِتَنِ خِلَالَ بُیُوْتِکُمْ کَمَوَاقِعِ الْقَطْرِ (بخاری ابواب العمرہ)

ترجمہ: کیا تم وہ کچھ دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ میں تمہارے گھروں میں فتنوں کی جگہ کو بارش کے قطروں کے گرنے کی جگہ دیکھ رہا ہوں

نماز میں حضور پر نور ﷺ کی خدمت بابرکت میں سلام کس بنا پر ضروری کیا گیا۔ شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ اس کی توجیہ کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں

"بعضے از عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ ست در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آنحضرت در ذوات مصلیاں موجود و حاضر است پس مصلی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود تا بانور قرب واسرار معرفت متنور و فائز گردد" (اشعۃ اللمعات)

ترجمہ: بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ التحیات میں السلام علیک ایھا النبی کہنا اس وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرے ذرے اور ممکنات کے ہر فرد میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نمازیوں کی ذاتوں میں موجود و حاضر ہیں۔ سو نمازی کو چاہئے کہ اس حقیقت سے آگاہ رہے اور حضور ﷺ کے حاضر ہونے سے غافل نہ رہے۔ تا کہ انوار قرب اور اسرار معرفت سے روشن و فیضیاب ہو۔

یہی بات ہے جسے منکرین و معاندین شرک کہتے ہیں۔ تاہم غور فرمایئے جن کے نزدیک نماز کو حضور قلب سے پڑھنے سے آدمی مشرک ہو جاتا ہے۔ ان کی 'توحید' کتنی خطرناک اور شرمناک ہے۔ اور پھر اس کا کیا علاج کہ یہی بات غیر مقلدین کے مایہ ناز مفکر و محدث و مفسر جناب نواب صدیق الحسن خاں بھوپالی نے "مسک الختام" میں لکھی ہے

تین عقیدوں پر مہر

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

'ایک روز حضور پرنور ﷺ باہر تشریف لے گئے اور غزوہ احد کے شہیدوں

پر اس طرح نماز پڑھی جیسے میت پر پڑھی جاتی ہے۔ پھر (واپس آ کر) منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا

اَنَا فَرَطُكُمْ وَاَنَا شَهِيْدٌ عَلَيْكُمْ اِنِّيْ وَاللّٰهِ لَاَ نْظُرُ اِلٰى حَوْضِىَ الْاٰنَ وَاِنِّيْ قَدْ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا اَخَافُ بَعْدِىْ اَنْ تُشْرِكُوْا وَلٰكِنْ اَخَافُ اَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا (بخاری کتاب الانبیاء)

ترجمہ: بیشک میں تمہارا سہارا و نگہبان اور گواہ ہوں، بیشک اللہ کی قسم میں اپنے حوض کو اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں اور بیشک مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا فرمائی گئی ہیں اور بیشک مجھے یہ خطرہ نہیں کہ میرے بعد تم مشرک ہو جاؤ گے۔ ہاں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم دنیا کے جال میں پھنس جاؤ گے۔

غور فرمایئے حضور ﷺ اپنی امت کا سہارا ہیں، پھر یہ کہ حضور پر نور ﷺ مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہو کر لاکھوں کروڑوں میل کے فاصلے پر اپنے حوض کو دیکھ رہے ہیں۔ نیز یہ کہ زمین کے خزانوں کی چابیاں حضور ﷺ کے دست مبارک میں ہیں گویا حضور مختار ہیں جسے جو چاہیں دنیا میں عطا فرمائیں۔ مخالفوں کے نزدیک یہ تینوں عقائد شرکیہ ہیں۔ حضور پر نور ﷺ ان تینوں عقیدوں کی تصدیق فرما کر مزید وضاحت فرما دی کہ اے میری امت یہ عقائد شرکیہ ہرگز نہیں اور تم بعد میں شرک سے بھی محفوظ رہو گے۔ خود سوچ لیجئے یہ تین عقائد کن کے ہیں۔ یقیناً اہل سنت کے ہیں انھیں کو رسول کے دشمن مشرک کہتے ہیں۔ حضور ﷺ ایک طرف ان کو تسلی دے رہے ہیں اور دوسری

طرف ان کے بارے میں یہ خطرہ ظاہر فرما رہے ہیں کہ انھیں دین کا احساس نہیں رہے گا۔ البتہ دنیا طلبی میں کھو جائیں گے۔ اس حدیث پاک سے جہاں اہل سنت کی تائید ہوتی ہے۔ وہاں یہ بھی ثابت ہوگا کہ انھیں مشرک کہنے والے جھوٹے ہیں۔ حضور پرنور ﷺ قسم کھا کر اہل سنت کی صفائی پیش کر رہے ہیں مگر باغیوں کو پھر بھی یقین نہیں آ رہا۔ اس حدیث پاک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جہاں بعید ترین چیزیں بھی حضور ﷺ کی نظر میں ہیں وہیں مستقبل بھی حضور ﷺ کے مشاہدے میں ہے۔ گویا حضور ﷺ کے سامنے زمان و مکان کی وسعتیں ہیچ ہیں۔

حضور ﷺ کے اختیارات

انبیاء کرام علیہم السلام مثلاً حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے معجزات خداداد اختیارات کا واضح ثبوت ہوتے ہیں۔ پھر ان سے بھی پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا منصب خلافت پر فائز ہونا اسی حقیقت کا مظہر ہے کیونکہ خلیفہ گویا نائب ہونے کی بنا پر اصل بادشاہ کی طرف سے اس کی مملکت کا مختار و حاکم ہوتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ نے تفسیر عزیزی (پ ۱) میں منصب خلافت کی جو وضاحت فرمائی ہے اس کی رو سے خلیفہ اشیائے زمین میں متصرف ہوتا ہے اور چونکہ زمینی چیزوں میں تصرف ان کے اسباب جو آسمانوں میں ہیں کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا وہ آسمانوں کے ساکنوں اور ستاروں کے موکلوں کا بھی حاکم ہوتا ہے۔ یہ خلافت ہے جس کی بنا پر معجزات و کرامات رونما ہوتے ہیں۔ حضور پرنور ﷺ اللہ کے خلیفۂ اعظم ہیں اور باعث تکوین عالم، لہٰذا زمین و آسمان پر آپ ﷺ کی حکمرانی مسلم ہے۔ سورج کا پلٹنا، چاند کا دو ٹکڑے ہونا، بادلوں کا سایہ کرنا، احزاب وغیرہ اور آندھی کا چلنا کنکریوں کا کلمہ پڑ

مناسب اسی قبیل سے ہیں اور خلافت کے مظاہر۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات دن انھیں دیکھتے تھے۔

لہذا اللہ پر اور رسول اللہ ﷺ کے خداداد تصرفات پر سب مضبوط ترین ایمان سے آراستہ تھے۔ اسی بنا پر وہ حضور ﷺ کو اللہ کے فضل سے خدا کی مخلوق میں خدا کے خلیفۂ اعظم اور محبوب اکرم ہونے کی حیثیت سے اللہ کی بارگاہ میں اپنا سب سے بڑا وسیلہ اور مختار کل سمجھتے تھے جو اجتماعی یا انفرادی حاجت پیش آتی تھی، اس کے بارے میں حضور ﷺ سے فریاد کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو ان کی گزارش پر قوت فیصلہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو قوت حافظہ عطا فرمائی، یونہی جس کسی نے جس قسم کا سوال کیا، اسے عطا فرمایا گیا، چنانچہ

جنت میں رفاقت: حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فَاَتَيْتُهٗ بِوَضُوْئِهٖ وَحَاجَتِهٖ فَقَالَ لِيْ سَلْ قَالَ فَقُلْتُ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِى الْجَنَّةِ فَقَالَ اَوَ غَيْرَ ذَالِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ (مسلم شریف)

ترجمہ: میں حضور پر نور ﷺ کی خدمت میں رات کو حاضر رہتا۔ ایک شب خدمت اقدس میں وضو کا پانی وغیرہ ضروریات حاضر لایا، تو ارشاد فرمایا 'مانگ لے' سو میں نے عرض کیا 'حضور ﷺ میں جنت میں حضور ﷺ کی رفاقت مانگتا ہوں، ارشاد ہوا 'کیا کچھ اور بھی' عرض کیا یہی کافی ہے فرمایا 'میری مدد اپنے نفس پر کثرت سجود سے کر'

مختارِ کل

حضور پرنور ﷺ کا "سل" (یعنی مانگ لے) فرمانا امت کے لئے نہایت ہی جانفزا اور دلکشا ہے۔ حضرت شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

"از اطلاق سوال کہ فرمودش بخواہ تخصیص نکرد بمطلوبے خاص معلوم میشود کہ کار ہمہ بدست وکرامتِ اوست صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہرچہ خواہد وہرکرا خواہد باذن پروردگار خود دہد" (اشعۃ اللمعات)

ترجمہ: مطلقاً سوال بلا تخصیص فرمانا کہ جو چاہو سوال کرو اس سے خاص بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ تمام کام حضور ﷺ کے دست ہمت وکرامت میں ہیں جو چاہیں اور جسے چاہیں اپنے رب کے فضل سے بخشیں۔ اسی طرح حدیث پاک میں ہے کہ حضور پر نور ﷺ نے ایک روز ایک اعرابی سے فرمایا

سَلْ مَا شِئْتَ یَا اَعْرَابِیُّ

(یعنی اے اعرابی جو چاہے سو مانگ)۔

حدیث پاک کے راوی مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں

فَغَبَطْنَاہُ فَقُلْنَا الْاٰنَ یَسْئَلُ الْجَنَّۃَ

ترجمہ: سو ہمیں اس اعرابی پر رشک آیا (ہم نے اپنے جی میں کہا) اب یہ حضور ﷺ سے جنت مانگے گا

مگر اعرابی نے کہا' میں حضور ﷺ سے سواری کا ایک اونٹ مانگتا ہوں' فرمایا

'عطا ہوا' پھر اس نے عرض کی' حضور ﷺ سے زادِ راہ مانگتا ہوں' فرمایا' عطا ہوا'

اس کے بعد اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کی زبان میں اسی روایت کا باقی حصہ سنیں۔

(حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں) ہمیں (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو) اس کے ان سوالوں پر تعجب آیا۔ سید عالم ﷺ نے فرمایا' کتنا فرق ہے اس اعرابی کی مانگ اور بنی اسرائیل کی ایک پیرزن کے سوال میں۔ پھر حضور پرنور ﷺ نے اس کا ذکر ارشاد فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دریا اترنے کا حکم ہوا، کنارے دریا تک پہنچے، سواری کے جانوروں کے منہ اللہ عزوجل نے پھیر دیئے کہ خود بخود واپس پلٹ آئیں۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی' الٰہی یہ کیا حال ہے۔' ارشاد ہوا تم قبر یوسف کے پاس ہو، ان کا جسم مبارک اپنے ساتھ لے لو۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبر کا پتہ معلوم نہ تھا۔ (انہوں نے) فرمایا' اگر تم میں کوئی جانتا ہو تو شاید بنی اسرائیل کی پیرزن کو معلوم ہو۔ اس کے پاس آدمی بھیجا کہ تجھے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر معلوم ہے؟ کہا' ہاں'۔ فرمایا' تو مجھے بتادے' عرض کیا' لا وَاللّٰہِ حَتّٰی تُعْطِیَ مَا اَسْئَلُکَ (خدا کی قسم میں نہ بتاؤں گی یہاں تک کہ میں جو کچھ آپ سے مانگوں آپ مجھے عطا فرمادیں۔ فرمایا ذلک لک (تیری عرض قبول ہے) قَالَتْ فَاِنِّیْ اَسْئَلُکَ اَنْ اَکُوْنَ مَعَکَ فِی الدَّرَجَۃِ الَّتِیْ تَکُوْنُ فِیْھَا فِی الْجَنَّۃِ

ترجمہ: پیرزن نے عرض کی میں حضور سے جنت مانگتی ہوں کہ جنت میں میں آپ کے ساتھ ہوں اس درجے میں جس میں آپ ہوں گے قَالَ سَلِی الْجَنَّۃَ (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جنت مانگ لے یعنی تجھے یہی کافی ہے، اتنا بڑا سوال نہ کر

قَالَتْ لَا وَاللّٰہِ اِلَّا اَنْ اَکُوْنَ مَعَکَ (پیرزن نے کہا، خدا کی قسم میں نہ مانگوں گی مگر یہی کہ آپ کے ساتھ ہوں) فَجَعَلَ مُوْسٰی یُرَدِّدُھَا فَاَوْحَی اللّٰہُ اَنْ اَعْطِھَا ذٰلِکَ فَاِنَّہٗ لَنْ یَّنْقُصَکَ شَیْئًا فَاَعْطَاھَا (موسیٰ علیہ السلام اس سے یہی ردوبدل کرتے رہے، تو اللہ عزوجل نے وحی بھیجی موسیٰ وہ جو مانگ رہی ہے، تم اُسے وہی عطا کردو کہ اس میں تمہارا کچھ نقصان نہیں) موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت میں اپنی رفاقت اسے عطا فرما دی۔ اس نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر بتادی۔ موسیٰ علیہ السلام نعش مبارک کو ساتھ لے کر دریا عبور فرما گئے"

اس حدیث پاک سے اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہ نے سات نکات اخذ کئے ہیں جن میں دوسرا یوں ہے

'یہی اعتقاد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا کہ حضور ﷺ کارخانہ الٰہی کے مختار کل ہیں' مختار کل ہونے کا پہلو یہ ہے کہ حضور ﷺ شارع ہیں اور جو چاہیں شریعت کے معاملے میں حکم فرمائیں وہ اللہ کا حکم ہی سمجھا جائے گا اور جسے چاہیں جس حکم سے خاص کر دیں، حضور ﷺ پر اس سلسلے میں پابندی نہیں۔ چنانچہ امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں

مِنْ خَصَائِصِہٖ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّہٗ کَانَ یَخُصُّ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءَ مِنَ الْاَحْکَامِ (الامن والعلی بحوالہ مواہب لدنیہ)

ترجمہ: سید عالم ﷺ کے خصائص کریمہ سے ہے کہ حضور شریعت کے عام احکام سے جسے چاہتے جس حکم سے چاہتے مستثنیٰ فرما دیتے۔ مثلاً

الف: ایک شخص سے اس شرط پر اسلام قبول فرمالیا کہ دو نمازیں ہی پڑھے گا (مسند امام احمد)

ب: ایک صحابی کے لئے روزے کا کفارہ خود ہی کھالینا جائز قرار دیا (مسلم اور بعض دوسری کتب حدیث)

ج: ایک شخص نے عرض کیا' کیا حج ہر سال فرض ہے فرمایا لَاوَلَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ (نہیں، لیکن میں 'ہاں' کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا)۔(احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

د: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر رضی اللہ عنہما کے بدن میں خشک خارش تھی، انھیں ریشم پہننے کی اجازت عطا فرمادی۔ (الامن والعلی بحوالہ صحاح ستہ)

ہ: حضرت خذیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہیوں کے برابر قرار دے دیا (مصنف ابن ابی شیبہ)

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جو شرعی احکام میں حضور پرنور ﷺ کے مختار ہونے کے دلائل ہیں، تفصیل کے لئے دیکھیں الامن والعلی از اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ۔

روضہ پرنور کی زیارت

اس سلسلے میں سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ کتاب وسنت میں کیا حکم ہے اور دوسری بات یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے کس حد تک اہم سمجھا۔

جہاں تک قرآن پاک کا تعلق ہے، اس نے واضح الفاظ میں مجرم کی بخشش کی صورت کے لئے دربار رسول ﷺ میں حاضری کو ضروری قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ .... الخ

ترجمہ جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے پاس حاضر ہوں تیرے حضور آئیں، اس کا تعلق اس دور سے بھی ہے جب حضور پر نور ﷺ ظاہری طور پر جلوہ افروز تھے اور اس دور سے جو حضور ﷺ کے وصال شریف سے شروع ہوتا ہے۔ یہ پوری آیت اور اس کا ترجمہ بھی اوپر گزرا اور سورۃ المنافقون کی آیت نمبر ۵ بھی گزر چکی ہے جس میں فرمایا گیا کہ منافقوں کو دربار رسالت کی حاضری ناپسند ہے اور اب آیئے احادیث شریفہ کی طرف، یہاں گنجائش نہ ہونے کے سبب صرف چار ارشادات نقل کیے جاتے ہیں۔

۱: مَنْ زَارَ قَبْرِىْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِىْ (دارقطنی، بیہقی)

ترجمہ: جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

۲: مَنْ جَآءَنِىْ زَائِرًا لَا تَحْمِلُهٗ حَاجَتِىْ اِلَّا زِيَارَتِىْ كَانَ حَقًّا عَلَىَّ اَنْ اَكُوْنَ لَهٗ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (طبرانی کبیر و اوسط۔ دارقطنی وغیرہ)

ترجمہ: جو میری زیارت کے لئے اس طرح آیا کہ اسے میری زیارت کے سوا کچھ اور مقصود نہ تھا تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں۔

۳: مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِىْ بَعْدَ وَفَاتِىْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِىْ فِىْ حَيَاتِىْ (دارقطنی، طبرانی وغیرہ)

ترجمہ: جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی، وہ اس کی طرح ہے جس نے میری (ظاہری) حیات میں میری زیارت کی۔

۴: مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ (کامل ابن عدی)

ترجمہ: جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی، اس نے مجھ پر ظلم کیا

اب آیئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز فکر کی طرف کہ وہ دربار رسول ﷺ کی حاضری کو کتنا ضروری سمجھتے تھے۔

الف: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ دربار اقدس ﷺ میں حاضر ہوتے کھڑے کھڑے اس حد تک ہاتھ اٹھاتے گویا نماز پڑھنے لگے ہوں، از حد ادب سے سلام عرض کرتے اور چلے جاتے

ب: حضرت سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی سفر سے واپس آتے تو حضور اکرم ﷺ کے دربار میں حاضر ہوتے اور عرض کرتے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یا اَبَا بَکْرٍ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَتَاہُ (اے ابا جی)

ج: حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بیت المقدس کا محاصرہ فرما رہے تھے۔ انھوں نے حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ کو دربار خلافت میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ امیر المومنین خود تشریف لائیں تو جنگ کے بغیر بھی فتح کے امکانات زیادہ روشن ہیں۔ حضرت میسرہ مدینہ شریف رات کے وقت پہنچے۔ مسجد نبوی میں حاضر ہو کر پہلے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں سلام عرض کیا اور پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں۔ پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیغام پہنچایا۔ آپ حسب استدعا بیت المقدس تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت کعب احبار بھی مشرف باسلام ہو گئے۔ وہ اہل کتاب کے بہت بڑے عالم تھے، ان کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا

هَل لَکَ اَنْ تَسِیْرَ مَعِیَ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ وَتَزُوْرَ قَبْرَ النَّبِیِّ ﷺ وَتَمَتَّعَ بِزِیَارَتِہٖ (شفاء السقام)

ترجمہ: کیا تم میرے ساتھ مدینہ شریف چل کر نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کرو گے اور اس کی زیارت سے فیض پاؤ گے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ انھیں لے کر سب سے پہلے مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور حضور رسول کریم ﷺ کے دربار دُربار میں سلام عرض کیا۔

اس سلسلے میں سب سے اہم واقعہ یہ ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے خواب میں تشریف لے جا کر انھیں مدینہ شریف حاضر ہونے کا حکم دیا، وہ ملک شام کی فتوحات کے بعد وہیں مقیم ہو گئے تھے، خواب میں حضور پرنور ﷺ نے فرمایا

مَا ھٰذِہِ الْجَفْوَۃُ یَا بِلَالُ اَمَااٰنَ لَکَ اَنْ تَزُوْرَنِی

ترجمہ: اے بلال! یہ کیا جفا ہے، کیا ابھی تیرے لئے وہ گھڑی نہیں آئی کہ میری زیارت کرے

حضرت بلال تعمیل حکم میں آ گئے اور روضہ اطہر پر پہنچ کر بہت روئے۔ اپنا چہرہ تربت اقدس پر ملتے جاتے تھے۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو پتہ چلا تو وہ بھی آ گئے شہزادوں سمیت سب نے کہا! بلال اذان دو، درد و کرب میں ڈوب کر اذان ابھی شروع ہی کی تھی کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں کہرام مچ گیا۔ جب اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ پر پہنچے تو ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ ہر طرف آہیں تھیں، ہچکیاں تھیں اور آنسو تھے۔ در و دیوار پہ گویا گریہ طاری تھا۔

جب صحابہ خصوصاً سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہم روضہ پرنور پر حاضری دیتے اور دوسروں کو حاضری کی ترغیب دیتے ہوں بلکہ خود سرور کائنات ہادی موجودات علیہ افضل الصلوات والتسلیمات خود اپنی بارگاہ میں خوش نصیبوں کو طلب فرما رہے ہیں وہاں کسی ابن تیمیہ کا حاضر ہونے سے روکنا کیا حیثیت رکھتا ہے اور اسے نفاق، شیطنت اور بدترین شقاوت نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بعد از وصال اذن طلب کرنا

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی "میرا جنازہ حضور پرنور ﷺ کے حجرۂ مقدسہ کے سامنے رکھ دینا اگر دروازہ کھل جائے اور قبر انور سے آواز آئے کہ ابوبکر کو اندر لے آؤ تو حجرہ مبارکہ میں دفن کر دینا ورنہ جنت البقیع میں۔ چنانچہ یونہی ہوا، جنازہ رکھنے کی ہی دیر تھی کہ دروازہ کھل گیا اور روضہ پرنور ﷺ سے صدائے دلنواز آئی

اَدْخِلُوا الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ

یعنی یار کو یار کے پاس لے آؤ (شواہد النبوۃ ...... تفسیر کبیر جلد ۵)

یہ بات عموماً بیان کی جاتی ہے کہ حضور ﷺ کے وصال شریف کے دن بعض صحابہ کو خیال تھا کہ روح مبارک قبض نہیں ہوئی۔ اس موقع پر حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کی آیت پڑھ کر سب کو روح مقدسہ کے قبض ہونے کا یقین دلایا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ط وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ط وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○ (آل عمران:۱۴۴)

ترجمہ: اور محمد تو ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول ہو چکے تو کیا

اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور
جو الٹے پاؤں پھرے گا، اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور عنقریب
اللہ شکر والوں کو صلہ دے گا۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اصل صورت حال سے آگاہ ہو جائیں مگر یار لوگوں نے اس سے یہ نتیجہ نکال لیا کہ اللہ کے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اسی طرح موت وارد ہوئی جیسے عام لوگوں پر ہوتی ہے، آیت کا بھی ان کے نزدیک یہی مطلب ہے اور ان کے خیال میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی نقطۂ نظر تھا۔ حالانکہ معاذ اللہ معاذ اللہ قرآن پاک کا یہ مطلب ہے اور نہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ عقیدہ تھا۔ اگر ان کا عقیدہ یہی ہوتا تو وہ ایسی وصیت کیوں فرماتے جیسی اوپر گزری بلکہ آپ نے وصال کی خبر سنی تو روتے ہوئے حاضر ہوئے اور چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھا کر یوں عرض کرنے لگے۔

ولو ان موتک کان اختیاراً لجدنا لموتک بالنفوس اذ
کرنا یا محمد عند ربک ولنکن من بالک

(سیرت رسول عربی بحوالہ مواہب لدنیہ)

ترجمہ: اگر آپ کی موت میں ہمیں اختیار دیا جاتا تو ہم آپ کی
موت کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیتے۔ یا محمد اپنے پروردگار
کے پاس ہمیں یاد کرنا اور ضرور ہمارا خیال رکھنا

غور فرمایئے موت کا اطلاق بھی ہو رہا ہے اور پھر حضور پر نور ﷺ کی بارگاہ میں التجا بھی کر رہے ہیں۔ آخر کیوں؟ اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ موت یہیں تک ہے

کہ آپ کے دیدار عام کا سلسلہ ختم ہو جائے گا ورنہ اس سے زندگی میں اور زندگی کے لوازمات میں کوئی فرق نہیں آیا۔

یاد رہے موت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اور حیات کی بھی۔ موت عادی، موت حقیقی، حیات عادی اور حیات حقیقی۔ موت عادی ہے روح کا جسم سے قبض کیا جانا، یہ سب کے لئے ہے۔ موت حقیقی، موت حقیقی ہے لوازمات حیات کا جسم میں برقرار نہ رہنا،

حیات عادی روح کا جسم میں داخل رہنا اور حیات حقیقی ہے لوازمات حیات کا برقرار رہنا۔ مثلاً کوئی مرنے کے بعد بولے، فائدہ پہنچائے، تصرف فرمائے وغیرہ۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وصال کے بعد بولنا، یا ہنسنا یونہی استن حنانہ کا رونا، کنکریوں کا کلمہ پڑھنا، یہ سب حیات حقیقی کے کرشمے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی برکت سے روح کے بغیر ہی اگر لکڑی یا پتھر حیات حقیقی سے مشرف ہو سکتا ہے۔ تو خود حضور ﷺ کی کیا شان ہوگی جو عین حیات، سراپا حیات بلکہ جان حیات ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ بدن انسانی میں روح کا مستقر دل ہوتا ہے اور شق صدر کے پاروں مواقع پر دل کو جسم اقدس سے باہر نکالا جاتا تھا، پھر بھی حضور ﷺ کی حیات میں کوئی فرق نہیں پڑا تا کہ ثابت ہو جائے حضور ﷺ حیات کے لئے روح کے محتاج نہیں بلکہ سچی بات یہ ہے جو روح بلکہ جو کوئی بھی زندہ ہے حضور پرنور ﷺ کا محتاج ہے۔ لہذا قرآن پاک یا حدیث پاک میں یا قول صحابی میں اگر حضور ﷺ کی بابت موت کا ذکر آیا ہے تو دراصل موت عادی مراد ہے جس کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ روح مبارک جسم مبارک سے ایک آن کے لئے پرواز کر کے بارگاہ ربوبیت میں حاضر ہوئی اور واپس آ کر دوبارہ جسم مبارک میں داخل ہوئی۔ روح کے اس خروج اور سفر کے باوجود حضور پرنور ﷺ کی حیات حقیقی میں کوئی فرق نہ آیا

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ

میں شہید بھی داخل ہیں اور یقیناً وہ بھی موت عادی سے دوچار ہوئے ہیں۔ پھر بھی اللہ انہیں مردہ کہنے بلکہ مردہ سوچنے سے بھی روک رہا ہے اور انہیں 'زندہ' فرما رہا ہے تو معلوم ہوا موت عادی سے حیات حقیقی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یونہی حدیث پاک میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں فرمایا گیا

اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (بیہقی)

ترجمہ: انبیاء زندہ ہیں، اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں

اور معراج کی رات انبیاء کرام علیہم السلام کا حضور پرنور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنا اسی حیات حقیقی کی دلیل ہے۔ تو وہ ذات پاک جو سراپا حیات ہے اور جان حیات ہے۔ اس کی حیات دائمی میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ اس پر سب کا اتفاق تھا چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ادب کس حد تک ملحوظ تھا۔ صرف چند مثالیں۔

۱۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں مسجد نبوی میں لیٹا ہوا تھا۔ ایک شخص نے مجھے کنکری ماری سر اٹھا کر دیکھا تو حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تھے۔ فرمایا ان دو شخصوں کو بلا لاؤ۔ میں بلا لایا تو آپ نے ان سے پوچھا 'تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو' بولے 'ہم طائف کے باشندے ہیں' فرمایا 'اس شہر کے باسی ہوتے تو میں درے لگاتا۔ کیا تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو (بخاری)

۲۔ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اگر مسجد نبوی کے گرد کسی مکان میں میخ ٹھونکنے کی آواز بھی سنتیں تو کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ دو۔

۳۔ حضرت مولا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنے گھر کے دونوں کواڑ مناصع میں تیار

کرائے کہیں لکڑی کی آواز سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ پہنچے۔ یہ محض نمونے کے طور پر دو چار باتیں بیان کی ہیں، مقصود صرف یہ تھا کہ حضور پر نور ﷺ کی حیات بعد از وصال پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پختہ ایمان واضح ہو جائے۔ مزید سنئے۔ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ظاہری حیات پاک میں حضور پر نور ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں فریادیں کیا کرتے تھے۔ وصال شریف کے بعد بھی ان کے طرز عمل میں کوئی فرق نہ آیا۔

ا۔ حافظ ابوعبداللہ محمد بن موسیٰ بن نعمان 'مصباح الظلام' میں لکھتے ہیں۔

حضرت سیدنا مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دفن شریف کے تین دن بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا۔ اس نے بڑی بیقراری سے قبر شریف کی کچھ مٹی اپنے سر پر ڈالی اور عرض کیا 'یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! حضور نے جو کچھ فرمایا' وہ ہم نے سن لیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر قرآن نازل فرمایا جس میں ارشاد فرمایا

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ.......... (الآیۃ)

سو میں ظلم کر کے حاضر خدمت ہو گیا ہوں کہ آپ (ﷺ) میرے حق میں استغفار فرمائیں۔ قبر شریف سے آواز آئی۔ تجھے بخش دیا گیا۔

(شفاء السقام)

مالک الدار راوی ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قحط پڑا۔ ایک شخص (بلال بن حارث صحابی رضی اللہ عنہ) نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر فریاد کی۔ 'یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا فرمائیں، ہلاک ہو رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں فرمایا 'عمر کے پاس جا کر میرا

سلام کہو اور بشارت دو کہ بارش ہوگی اور یہ بھی کہہ دو کہ نرمی اختیار کرے۔ انھوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ خبر دی تو آپ بہت روئے۔ پھر کہا، اے رب میں کوتاہی نہیں کرتا مگر اس چیز میں کہ جس سے عاجز ہوں، (وفاء الوفا)

ایک سال مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فریاد کی۔ ارشاد ہوا ''رسول اللہ ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہو کر اس میں ایک روشندان آسمان کی طرف کھول دو تا کہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا چنانچہ خوب بارش ہوئی اور گھاس اگی۔ اونٹ ایسے موٹے ہو گئے کہ چربی سے پھٹنے لگے۔ اس سال کو عام الفتق کہتے تھے۔ اور اس قسم کے واقعات کی بھی گنتی نہیں کہ کسی نے کسی ذاتی مسئلے میں فریاد کی اور مشکل حل ہوگئی مثلاً ابن جلاد کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور فاقہ سے تھا۔ میں نے قبر شریف پہ حاضر ہو کر عرض کی، میں حضور کا مہمان ہوں،۔ اتنا عرض کر کے میں سو گیا۔ خواب میں نبی ﷺ نے مجھے روٹی عنایت فرمائی۔ آدھی کھالی اور آنکھ کھل گئی تو باقی آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔

اس قسم کے بیشمار واقعات ان کتابوں میں بھی ہیں جو آج کل حرمین شریفین میں دستیاب ہیں۔ جیسے حضور ﷺ کی عادت مبارکہ ظاہری حیات میں تھی کہ کسی بھی سوالی کے جواب میں 'لا' (یعنی نہیں) نہیں فرماتے تھے۔ اب بھی آپ کے جود و سخا کا وہی بلکہ اس سے بھی بہتر عالم ہے۔

طرز سلام: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں مشہور ہے کہ حاضر بارگاہ ہوتے تو صلوۃ و سلام یوں عرض کرتے، چنانچہ امام شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں

وَالْمَنْقُوْلُ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ فِيْ تَحِيَّتِهِ الصَّلٰوةُ

وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رسول الله (نسیم الریاض شرح شفا)

ترجمہ: منقول ہے کہ صحابہ کرام دربار رسالت میں یوں سلام عرض کرتے تھے

اَلصَّلٰوۃ وَالسَّلَامُ علیک یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

بلکہ اس دور سعادت میں پتھر اور درخت تک یوں ہی سلام عرض کیا کرتے تھے۔

فَلَا يَمُرُّ بِحَجَرٍ وَّلَا شَجَرٍ اِلَّا قَالَ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (سیرت حلبیہ جلد:۱)

ترجمہ: حضور ﷺ جس پتھر یا درخت کے پاس سے بھی گزرتے وہ کہتا الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ

یہی حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی رہا۔

جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے معمول کا ذکر پیچھے آ چکا ہے۔

﴿نعرۂ رسالت﴾

حضور پر نور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خادم گلیوں میں پھیل گئے اور سب کے سب نعرے لگا رہے تھے۔

یا محمد یا رسول اللہ یامحمد یا رسول اللہ (صحیح مسلم، ج:۲)

یہی نعرہ حضور پر نور ﷺ کے وصال شریف کے بعد بھی رہا چنانچہ ہر خوشی کے موقع پر (جیسا کہ اوپر منقول ہوا) اور ہر انفرادی و اجتماعی مسئلے کے پیدا ہونے پر وہ حضور پر نور ﷺ ہی کو پکارتے تھے مثلاً ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سو گیا تو کسی نے کہا

اذکر احب الناس الیک (جو تمہیں سب لوگوں سے پیارا ہے، اسے یاد کیجئے) تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا 'یا محمد' اور پاؤں ٹھیک ہو گیا (الادب المفرد) یونہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا پاؤں سو گیا تو انھوں نے بھی یا محمداہ ﷺ کہا اور پاؤں اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔

جنگوں میں تو جب بھی گھمسان کا رن پڑا، یہی نعرہ مسلمانوں کی پہچان تھی مثلاً مسیلمہ کذاب کی ساٹھ ہزار کی فوج کے مقابلے میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے ثابت قدم لشکر نے حالات کی نزاکت محسوس کی تو کہا نَادیٰ بِشِعَارِ الْمُسْلِمِيْنَ وَكَانَ شِعَارُهُمْ يَوْمَئِذٍ يَا مُحَمَّدَاهُ (البدایہ والنہایہ وغیرہ)

ترجمہ: انھوں نے مسلمانوں کے شعار سے آواز دی اور اس دن مسلمانوں کا شعار یا محمداہ تھا۔ نتیجتاً مسیلمہ ہلاک ہوا، فوج بھاگ گئی اور مسلمان فتح یاب ہو گئے۔

جنگ یرموک میں جب کفار کی تعداد پانچ لاکھ تھی اور مسلمان صرف ستائیس ہزار تھے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں سب کی زبان پر یہی نعرہ تھا۔

يَا مُحَمَّدُ يَا مَنْصُوْرُ اُمَّتَكَ (ناسخ التواریخ۔ واقدی)

ترجمہ: یا محمد۔ اے نصرت والے اپنی امت کی خبر لیجئے

اور اس نعرے کی برکت سے مسلمان جیت گئے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نعتیں

اب یہاں آخر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منظوم نذرانہ ہائے عقیدت سے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ نعتیں اس اعتبار سے بھی مشعل راہ ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لکھی ہوئی ہیں جنھیں قرآن پاک نے باقی لوگوں کے لئے معیار ہدایت

قرار دیا ہے اور اس سے بھی زیادہ اس لئے اکثر و بیشتر حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ عرش پناہ میں پیش کی گئیں اور ان پر انھیں انعامات اور دعائیں دی گئیں۔ جس شعر کو حضور پرنور ﷺ قبول بلکہ پسند فرمالیں، وہ امت کے لئے سند نہیں تو کیا ہوگا۔

حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے نعت سنانے کی اجازت طلب کی تو حضور پر نور ﷺ نے فرمایا۔ کہو، اللہ تعالیٰ تمھارے منہ کی مہر نہ توڑے۔ چنانچہ انھوں نے قصیدہ پڑھا جس میں آدم و نوح علیہما السلام میں حضور ﷺ کے جلوہ فرما ہونے کا ذکر تھا۔ آگے عرض کرتے ہیں۔

وَرَدْتَ نَارَ الْخَلِيْلِ مُكْتَتِمًا
فِيْ صُلْبِهٖ اَنْتَ كَيْفَ يَحْتَرِقُ

ترجمہ: آپ خلیل اللہ علیہ السلام کی پشت میں مخفی ہو کر آگ میں گئے تو وہ کیسے جل سکتے تھے۔

وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَ
رْضُ وَضَآءَتْ بِنُوْرِكَ الْاُفُقُ

ترجمہ: جب آپ دنیا میں تشریف لائے تو زمین چمک اٹھی۔ اور آپ کے نور سے افق بھی روشن ہوگیا۔

فَنَحْنُ فِيْ ذٰلِكَ الضِّيَآءِ وَفِي النُّوْ
رِ وَسُبُلِ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

ترجمہ: سو ہم اسی ضیا و نور میں ہیں۔ اور ہدایت کے راستے طے کرتے ہیں۔

حضرت زہیر بن صرد جشمی رضی اللہ عنہ

اسیران بنی ہوازن کے لئے فریاد کرتے ہیں۔ یہاں صرف دو شعر

اُمْنُنْ عَلَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ كَرَمٍ
فَاِنَّكَ الْمَرْءُ نَرْجُوْهُ وَنَدَّخِرُ

ترجمہ: یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) ہم پر
احسان فرمائیے اپنے کرم سے حضور ہی وہ مرد
کامل ہیں جن سے ہم امید کریں اور جسے وقت
مصیبت کیلئے ذخیرہ بنائیں۔

اِنْ لَّمْ تَدَارِكْهُمْ نَعْمَاءُ تَنْشُرُهَا
يَا اَرْجَحَ النَّاسِ حِلْمًا حِيْنَ يُخْتَبَرُ

ترجمہ: اگر حضور کی نعمتیں جنہیں حضور نے عام فرما دیا ہے ان
(مصیبت زدہ لوگوں) کی مدد کو نہ پہنچیں تو ان کا کہیں ٹھکانا نہیں، اور
آزمائش کے وقت تمام جہاں سے زیادہ عقل والے ﷺ

(الامن والعلی بحوالہ طبرانی)

حضرت اسود بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے حضور پرنور ﷺ سے عرض کی

اَنْتَ الرَّسُوْلُ الَّذِيْ تُرْجٰى فَوَاضِلُهٗ
عِنْدَ الْقُحُوْطِ اِذَا مَا اَخْطَا الْمَطَرُ

ترجمہ: حضور وہ رسول ہیں کہ حضور کے فضل کی امید کی جاتی ہے، قحط
کے وقت جب مینہ خطا کرے۔ (الامن والعلی)

ایک اعرابی نے قحط سالی کی شکایت کرتے ہوئے بارش کے لئے منظوم عرض کی آخری شعر تھا۔

وَ لَیْسَ لَنَا اِلاَّ اِلَیْکَ فِرَارُنَا
وَاَیْنَ فِرَارُ الْخَلْقِ اِلاَّ اِلَی الرُّسُلِ ۔

ترجمہ: ہمارا حضور ﷺ کے سوا کون ہے جس کے پاس مصیبت میں بھاگ کر جائیں اور خود مخلوق کو جائے پناہ ہے ہی کہاں مگر رسولوں کی بارگاہ میں۔ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وبارک وسلم۔

حضور ﷺ اسی وقت منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور رب عزوجل سے پانی مانگا۔ بارش اسی وقت شروع ہوگئی اور پھر ہوتی رہی حتیٰ کہ بیرون شہر سے لوگ فریاد کرنے آئے کہ ہم ڈوبے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے بادل سے فرمایا حوالینا لا علینا ہمارے گرد برس ہم پر نہ برس۔ اس نے فوراً تعمیل کی۔ اس وقت حضور اقدس ﷺ نے مسکرا کر فرمایا اس وقت ابو طالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، کون ہے جو ہمیں ان کے شعر سنائے۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عرض کیا۔

وَ اَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِّلْاَ رَامِلِ
تَلُوْذُ بِهِ الْهُلَّاکُ مِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ
فَهُمْ عِنْدَهٗ فِیْ نِعْمَةٍ وَّ فَوَاضِلِ

ترجمہ: وہ گورے رنگ والے کہ ان کے رخ انور کے صدقے میں بادل کا پانی مانگا جاتا ہے۔ یتیموں کے جائے پناہ، بیواؤں کے

نگہبان۔ بنی ہاشم (جیسے غیور لوگ) تباہی کے وقت ان کی پناہ میں
آتے ہیں۔ سو وہ ان کے پاس ان کی نعمت و فضل میں بسر کرتے ہیں
حضور ﷺ نے فرمایا اجل ذلک اردت ہاں یہی نظم مقصود تھی
(الامن والعلیٰ بحوالہ بیہقی)

حضرت جمیش بن اویس نخعی رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر قصیدہ نعتیہ عرض کیا۔
اس میں دو شعر حسب ذیل ہیں۔

اَلَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَنْتَ مُصَدَّقٌ
فَبُوْرِکْتَ مَھْدِیًّا وَّ بُوْرِکْتَ ھَادِیًا
شَرَعْتَ لَنَا دِیْنَ الْحَنِیْفَۃِ بَعْدَ مَا
عَبَدْنَا کَاَمْثَالِ الْحَمِیْرِ طَوَاغِیًا !!

ترجمہ: یا رسول اللہ حضور تصدیق کئے گئے ہیں۔ حضور اللہ عزوجل
سے ہدایت پانے میں بھی مبارک اور خلق کو ہدایت عطا فرمانے
میں بھی مبارک۔ حضور ہمارے لئے دین اسلام کے شارع ہوئے
بعد اس کے کہ ہم گدھوں کی طرح بتوں کو پوج رہے تھے
(الامن والعلیٰ)

حضرت مالک بن عوف رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں۔

مَا اِنْ رَاَیْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِوَاحِدٍ
فِی النَّاسِ کُلِّھِمْ کَمِثْلِ مُحَمَّدٍ
اَوْفٰی وَ اَعْطٰی لِلْجَزِیْلِ لِمُجْتَدٍ

وَمَتٰی تَشَاوَ یُخْبِرُکَ عَمَّا فِی غَدٍ

ترجمہ: میں نے تمام جہان کے لوگوں میں محمد ﷺ کے مثل نہ کوئی دیکھا نہ سنا، سب سے زیادہ وفا فرمانے والے اور سب سے فزوں تر سائل نفع کو کثیر عطا بخشنے والے اور جب تو چاہے تجھے آئندہ کل کی خبریں بتا دیں ﷺ (حضور ﷺ نے انہیں ان کی قوم ہوازن اور قبائل ثمالہ و سلمہ و فہم پر سردار فرمایا) (الامن والعلی)

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ: یہ ایک جنیہ کے کہنے پر حضور پر نور ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ اس موقع پر انہوں نے ایک قصیدہ بھی پیش کیا، جس کے آخری اشعار یوں ہیں

فَاَشْهَدُاَنَّ اللّٰهُ لَا رَبَّ غَیْرُهٗ

وَاَنَّکَ مَامُوْنٌ عَلٰی کُلِّ غَائِبٍ

ترجمہ: سو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ ہر غیب پر امین بنائے گئے ہیں (رسالت کی گواہی دینے کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو ہر غیب پر امین مانا جائے)

وَاَنَّکَ اَدْنَی الْمُرْسَلِیْنَ وَسِیْلَةً

اِلَی اللّٰهِ یَا ابْنَ الْاَکْرَمِیْنَ الْاَطَائِبِ

ترجمہ: بیشک آپ تمام رسولوں سے زیادہ قریب کا وسیلہ ہیں۔ اے معزز اور اچھے آباؤ اجداد کے نور نظر!

فَمُرْنَا بِمَا یَاْتِیْکَ یَا خَیْرَ مُرْسَلٍ

وَاِنْ کَانَ فِیْمَا جَاءَ شَیْبُ الذَّوَائِبِ

ترجمہ: سوائے بہترین رسول ﷺ! ہم کو اس بات کا حکم دیجئے جو حضور کے پاس آتی ہے۔ اگرچہ اس حکم کی تعمیل میں بال سفید ہو جائیں

وَکُنْ لِیْ شَفِیْعاً یَوْمَ لَا ذُوْ شَفَاعَۃٍ

سِوَاکَ بِمُغْنٍ عَنْ سَوَادِ بْنِ قَارِبٍ

ترجمہ: اور اس روز حضور میرے شفیع بنیں جس دن اور کوئی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا اور سواد بن قارب کے ذرا بھی کام نہیں آسکے گا۔

حضور پر نور ﷺ مسرور ہوئے اور دوسرے حاضرین بھی۔ نیز سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا اے سواد تم فلاح پا گئے۔ (حجۃ اللہ علی العلمین)

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ: آپ نے اسلام قبول کرتے ہوئے قصیدہ پیش کیا، جس کے دو شعر ملاحظہ ہوں

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ

مُہَنَّدٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلٗ

ترجمہ: بیشک رسول اللہ نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ حضور اللہ کی تلواروں میں سے ایک بے نیام تلوار ہیں (ﷺ)

نُبِّئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْعَدَنِیْ -

وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَامُوْلٗ

ترجمہ: مجھے بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دھمکی دی ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ سے تو عفو کی ہی امید ہوتی ہے۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے اپنی چادر مبارک اتار کر عطا فرمادی۔ یہ وہی چادر ہے جو تاجپوشی کے وقت خلفاء (بنی عباس) کو اوڑھائی جاتی ہے (ضیاء النبی۔ ج۴)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ: یہ شاعر دربار رسالت ہیں، ان کے بارے حضور پرنور ﷺ نے دعا فرمائی

اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ

(اے اللہ اس کی مدد جبریل علیہ السلام کے ساتھ فرما)

ایک قصیدے کے چند اشعار حاضر ہیں

رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ مُسْتَجِیْرٌ

بِجَاھِکَ وَالزَّمَانُ لَہٗ اعْتِدَاءُ

ترجمہ: یارسول اللہ! میں حضور کے مرتبے کے طفیل پناہ مانگتا ہوں حالانکہ زمانہ میرا دشمن ہے۔

رَجَوْتُکَ یَابْنَ اٰمِنَۃَ لِاَنِّیْ

مُحِبٌّ وَالْمُحِبُّ لَہُ الرَّجَاءُ

ترجمہ: اے ابن آمنہ ﷺ ورضی اللہ عنہا میں حضور کا امیدوار ہوں۔ بیشک میں محب ہوں اور محب امیدوار ہوتا ہی ہے۔

لَکُمْ لَکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فَضْلٌ

تَضِیْقُ الْاَرْضُ عَنْہُ وَالسَّمَاءُ

ترجمہ: یارسول اللہ! حضور کا فضل اتنا وسیع ہے کہ زمین و آسمان

(کی پہنائیاں) اس کے آگے ہیچ ہیں

وَ کَمْ لَکَ مُعْجِزَاتٌ ظَاھِرَاتٌ
کَضَوْءِ الشَّمْسِ لَیْسَ لَہٗ خِفَاءٗ

ترجمہ: اور حضور کے کتنے ہی روشن معجزات ہیں کہ سورج کی روشنی کی طرح ان میں؟

وَاَنْتَ مُقَدَّمٌ دُنْیَا وَ اُخْرٰی
وَصَلّٰی خَلْفَ ظَھْرِکَ اَنْبِیَآءٗ

ترجمہ: اور آپ دنیا و آخرت کے پیشوا ہیں اور آپ کے پیچھے انبیاء نے نماز پڑھی ہے۔

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ کُلِّ عَیْبٍ
کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءٗ

ترجمہ: حضور تمام عیبوں سے پاک پیدا کیے گئے ہیں گویا حضور کی خواہش کے مطابق حضور کو پیدا فرمایا گیا (ﷺ)

وَاَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنٌ
وَاَکْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءٗ

ترجمہ: حضور ﷺ سے زیادہ خوبصورت کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور حضور سے کامل تر کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔

حضور رحمۃ للعلمین ﷺ سے فریاد و استغاثہ

آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چند نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائے۔ یہ وہی

بزرگ ہیں جنھیں خود قرآن پاک نے دوسروں کے لئے معیار ہدایت قرار دیا ہے۔ غور سے دیکھیں ان اشعار میں حضور ﷺ کا نور، علم غیب، شفاعت فریادرسی حاجت روائی آپ سے توسل و استمداد غرض سارے مسائل آگئے ہیں۔ یہاں مزید اطمینان کیلئے صرف ایک دو واقعات درج کئے جاتے ہیں تا کہ یہ بات کھل جائے کہ جس محبوب اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعلمین بنا کر بھیجا ہے، وہ واقعی زندہ جاوید جان سے قریب عالمین میں متصرف سب کا فریادرس اور اللہ کے خزانوں کا مالک ہے۔ وہ اپنے اللہ کے فضل سے سب کی سنتا اور سب کی امداد کو پہنچتا ہے۔ ہمیں یہاں تفصیل مقصود نہیں، بلکہ وہ لوگ جو صدق دل سے حضور پرنور ﷺ کے خداداد فضائل و کمالات سن کر خوش ہوتے ہیں اور رحمۃ للعلمین علیہ الصلوۃ والسلام سے اپنا غلامانہ تعلق مضبوط کر کے رابطہ پیدا کرنا چاہتے ہیں، ان کی رہنمائی اور تسکین کے لئے ولادت سے پہلے کے دور سے ظاہری جلوہ آرائی کے زمانے سے اور بعد از وصال کے ادوار سے ایک ایک دو دو واقعات درج کئے جاتے ہیں تا کہ

در فیض محمد ﷺ وا ہے، آئے جس کا جی چاہے
نہ آئے آتش دوزخ میں جائے، جس کا جی چاہے

حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جن کے علم کی نظیر صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے بعد آج تک نہیں ملی۔ اپنے طویل نعتیہ قصیدہ النعمان میں عرض کرتے ہیں

اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ
مِنْ زَلَّةٍ بِکَ فَازَ وَھُوَ اَبَاکَا
وَبِکَ الْخَلِیْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُہٗ
بَرْدًا وَّقَدْ خَمِدَتْ بِنُوْرِ سَنَاکَا

وَدَعَاكَ اَيُّوْبُ لِضُرٍّ مَسَّهٗ
فَاُزِيْلَ عَنْهُ الضُّرُّ حِيْنَ دَعَاكَا
وَكَذَالِكَ مُوْسٰى لَمْ يَزَلْ مُتَوَسِّلًا
بِكَ فِي الْقِيٰمَةِ مُحْتَمًا بِحِمَاكَا

ترجمہ: آپ وہ ہیں کہ جب آدم علیہ السلام نے لغزش کے سبب سے آپ کا وسیلہ پکڑا تو وہ کامیاب ہو گئے حالانکہ وہ آپ کے باپ ہیں۔ آپ ہی کے وسیلے سے خلیل علیہ السلام نے دعا مانگی تو آپ کے روشن نور سے آگ ان پر ٹھنڈی ہو گئی اور بجھ گئی۔ اور ایوب علیہ السلام نے اپنی مصیبت میں آپ ہی کو پکارا تو اس پکارنے پر ان کی مصیبت دور ہو گئی۔ اسی طرح موسیٰ علیہ اسلام آپ کا وسیلہ پکڑنے والے اور قیامت میں آپ کے سبزہ زار میں پناہ لینے والے رہے۔ (سیرت رسول عربی)

حضرت امام بوصیری علیہ الرحمۃ والرضوان جن کا قصیدہ بردہ بارگاہ نبوت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں مقبول ہوا (جیسا کہ آگے آ رہا ہے) اس میں فرماتے ہیں (عنوان کے مطابق تو صرف درمیان کا شعر ہے، لیکن چونکہ قصیدہ رحمۃ للعلمین ﷺ کے دربار دُربار میں شرف قبول پاچکا ہے لہذا اس شعر سے اگلا اور پچھلا شعر بھی درج کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو ہمارے بزرگوں کا کیا عقیدہ تھا۔

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِيْ خَلْقٍ وَّفِيْ خُلُقٍ
وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمٍ

ترجمہ: حضور پر نور ﷺ خلقت اور خلق کے اعتبار سے سب نبیوں پر فوقیت لے گئے اور وہ آپ کے علم کو پہنچ سکے نہ کرم کو

وَ كُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ مُلْتَمِسٌ
غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ

ترجمہ: اور سب انبیاء علیہم السلام آپ سے التجا کرتے ہیں کہ اپنے بحر سے ایک چلو یا اپنے مینہ سے ایک گھونٹ عطا فرمائیے۔

وَ وَاقِفُوْنَ لَدَيْهِ عِنْدَ حَدِّهِمْ
مِنْ نُّقْطَةِ الْعِلْمِ اَوْ مِنْ شَكْلَةِ الْحِكَمِ

ترجمہ: اور وہ آپ کے حضور اپنی حد پر کھڑے ہیں، کسی کو آپ کے علم وسیع سے ایک نقطہ حاصل ہوا اور کسی کو آپ کی (غیر محدود) حکمتوں میں سے ایک حکمت میسر آئی۔

﴿حضور ﷺ کے ظاہری دور کا ایک واقعہ﴾

یہ واقعہ وہ ہے جو فتح مکہ کی تمہید بنا۔ سیرت کی عام کتابوں میں تفصیل یا اجمال سے مذکور ہے۔ ہم یہاں مناظر اسلام حضرت مولانا محمد عمر اچھروی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پیش کرتے ہیں۔ آپ نے ابتدا میں طبرانی صغیر سے ایک حدیث سند و متن کے ساتھ درج فرمائی، پھر اس کا ترجمہ کیا ہے اور پھر مزید حوالے دیئے ہیں۔ ہم یہاں طوالت سے بچنے کیلئے صرف ترجمے سے ابتدا کرتے ہیں۔

"نبی ﷺ اپنی زوجہ مطہرہ میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث کے پاس ان کی باری کی رات ٹھہرے تو آپ ﷺ (رات کو تہجد کے واسطے) اٹھے۔ نماز کے واسطے وضو

کرتے وقت اسی مقام میں بیٹھے ہوئے میں نے سنا کہ آپ فرماتے ہیں . لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ تین دفعہ فرمایا (یعنی میں تیرے پاس پہنچا، میں تیرے پاس پہنچا) پھر نصرت نصرت (تو امداد کیا گیا، تو امداد کیا گیا) تین دفعہ فرمایا۔ (اور اپنے وضو کے مقام میں تشریف فرما ہیں، کسی دوسری جگہ بھی نہیں سرکے اور نہ غائب ہوئے) تو جب اس جگہ سے علیحدہ ہوئے تو میں نے عرض کی یارسول اللہ (ﷺ) میں نے ایسے سنا ہے کہ آپ اپنے وضو کے مقام پر بیٹھے ہی فرمارہے تھے۔ لبیک لبیک نصرت نصرت تین تین دفعہ فرمایا گویا کہ آپ کسی انسان سے کلام فرماتے ہیں، کیا حضور ﷺ کے پاس کوئی تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ راجز مجھ سے فریاد کرتا ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ قریش راجز مسمی عمرو بن سالم کو قتل کرنا چاہتے تھے تو وہ مکے سے نکلا اور مدینہ منورہ کا راستہ اختیار کیا۔ جب اس کو مصیبت پڑتی تو وہ (عمرو بن سالم) نبی ﷺ کو پکارتا اور آپ اس کی امداد فرما دیتے۔ چنانچہ ایک دفعہ راستے میں زبردست دشمن کے گھیرے میں آ گیا تو اس عمرو بن سالم (صحابی) نے نبی ﷺ کو غائبانہ پکارا اور فریاد کی کہ حضور مجھے بچائیے ورنہ دشمن قتل کر دے گا تو آپ ﷺ اس وقت حضرت میمونہ بنت حارث اپنی بیوی صاحبہ کے گھر وضو فرما رہے تھے تو وہیں مدینہ طیبہ میں مقام وضو میں بیٹھے ہی لبیک فرما کر راجز کے پاس اپنی حاضری کا ثبوت دیا اور نصرت سے اس کی امداد فرما کر اس کو دشمن سے بچالیا اور راجز رضی اللہ عنہ کو تسلی دی۔ چنانچہ راجز صحابی کے اس واقعے سے استمداد اور آپ نے اپنی امداد غائبانہ کو اپنی زوجہ مطہرہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی بیان فرمایا اور جب عمرو بن سالم راجز نبی ﷺ کی غائبانہ امداد سے مدینہ طیبہ پہنچا تو اس نے نبی ﷺ کی امداد کے متعلق چند اشعار

پڑھے۔ ان میں سے ایک شعر فقیر بھی عرض کرتا ہے جو سنہری قلم سے لکھنے کے قابل ہے

فَانْصُرْ رَسُوْلَ اللّٰهِ نَصْرًا اَعْتَدَا

وَادْعُ عِبَادَ اللّٰهِ یَاْتُوْا مَدَدًا [1]

ترجمہ: یارسول اللہ! ہماری ایسی مدد فرمایئے جو بہت قوت والی ہو، اور حضور اللہ کے بندوں کو بھی بلالیں جو مدد کیلئے

یہ تمام واقعہ اور اشعار اصابہ ۴/۲۹۷ اور کتاب الاستیعاب ص ۳۴۶ میں بھی مذکور ہے۔ استغاثے کے کئی واقعات گزشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں۔ (مقیاس حنفیت)

﴿وصال شریف کے بعد﴾

حضور ﷺ کے وصال شریف کے بعد مختلف جنگوں میں صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کے استغاثے کا ذکر گزر چکا ہے، صوفیہ و اولیاء کے علاوہ فقہا و محدثین علیہم الرحمۃ والرضوان کا بھی آج تک معمول یہی رہا ہے۔ امام بوصیری علیہ الرحمۃ والرضوان کا قصیدہ بردہ جو انھوں نے مفلوج ہونے کی بنا پر استغاثے کے طور پر لکھا تھا اور جس پر حضور پرنور ﷺ نے شفا بھی بخشی اور چادر مبارک بھی، مشہور ہے۔ بہرحال اکابر امت بارگاہ رحمۃ للعلمین ﷺ میں ہمیشہ اپنے مصائب و آلام پر فریاد کرتے رہے۔ یہاں تک وہ لوگ جو آج اسے شرک و بدعت کہتے ہیں ان کے اکابر مثلاً بانی مدرسہ دیوبند قاسم نانوتوی اور غیر مقلدین کے امام نواب صدیق الحسن خاں بھوپالوی نے بھی بوقت ضرورت حضور پرنور ﷺ سے فریاد کی۔ کتابیں اس تفصیل سے بھری پڑی ہیں۔ یہاں ان کی زیادہ مثالیں دینے کی بھی گنجائش نہیں۔ مجھے تو یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ رحمۃ للعلمین ﷺ

[1] یارسول اللہ! ہماری ایسی مدد فرمایئے جو بہت قوت والی ہو، اور حضور اللہ کے بندوں کو بھی بلالیں جو مدد کے لئے آجائیں۔

کی رحمت عامہ کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے پرائے سب مانگیں اور مرادیں پائیں۔ چنانچہ غیر مسلم بھی بارگاہ قاسم و خازن ﷺ میں استغاثے کرتے رہے اور سرخرو ہوتے رہے۔

یہاں ایک تازہ مثال عرض ہے۔

"چند سال پہلے کی بات ہے کہ دلی کا ایک ہندو شاعر ٹھا کر داس اثیم بینائی سے محروم ہو گیا۔ ڈاکٹروں اور طبیبوں سے رجوع کیا مگر بے سود۔ حج کے دن قریب آ گئے تو اہل خانہ سے کہنے لگا کہ کسی ایسے مسلمان کو تلاش کرو جو حج کو جا رہا ہو۔ چنانچہ ایک ایسا خوش نصیب مسلمان مل گیا جو سفر حج و زیارت سے مشرف ہو رہا تھا۔ اثیم نے درج ذیل نعت اس کے حوالے کی اور تاکید کی کہ روضہ مقدسہ کی جالی شریف کے سامنے کھڑے ہو کر اسے پڑھے۔ خدا اور رسول ﷺ کا فضل دیکھئے۔ جس وقت یہ نظم بارگاہ عالی میں پیش کی جا رہی تھی۔ بالکل اسی وقت اثیم کی بینائی لوٹ آئی: ('عزم' نو قرآن نمبر)

پھیکا ہے نور خور رخ انور کے سامنے
ہے ہیچ مشک زلف معنبر کے سامنے
خجلت سے آب آب ہیں نسرین و یاسمن
کیا منہ دکھائیں جا کے گل تر کے سامنے
ہے زنگ معصیت سے سیہ دل کا آئینہ
کیا اس کو لے کے جاؤں سکندر کے سامنے
قسمت کا لکھا مٹ نہیں سکتا کسی طرح
تدبیر کیا کرے گی مقدر کے سامنے
چشم کرم ہو ، آنکھوں میں آجائے روشنی

کہنا صبا یہ جا کے پیمبر ﷺ کے سامنے
شیشہ نہ ہو، نہ سنگ ہو چشمہ ہو نور کا
اس کو لگا کے جاؤں میں سرور کے سامنے
جس در سے آج تک کوئی لوٹا نہ خالی ہاتھ
دست طلب دراز ہے اس در کے سامنے
رضوان تجھے جو ناز ہے جنت پہ اس قدر
کیا چیز ہے وہ روضۂ اطہر کے سامنے
سر پہ ہو ان ﷺ کا دست شفاعت انیمؔ کے
جس دم کھڑا ہو داورِ محشر کے سامنے

☆......☆......☆

حضور مفکر اسلام کی شہرۂ آفاق تصانیف

میلاد شریف بعض روایات

حضور کے والدین

شاہِ ابرار زندہ و مختار

سورج الٹے پاؤں پلٹے

حضرت مجدد الف ثانی کی مجددیت و قیومیت

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

حضرت امام حسین کی حقانیت

اسلام کا پہلا عقیدۂ توحید

اسلام کا دوسرا عقیدۂ رسالت

حضور نقش لاثانی اور مذہبی تامل

انوارِ لاثانی

میلاد منائیں

نمات میلاد (نعتیہ مجموعہ)

تبرکات حرمین (نعتیہ مجموعہ)

نغماتِ (نعتیہ کلام)

ضرورت وصوت (زیر طبع)

علماء اور شیطان کے سیرت (زیر طبع)

مردانِ حق

سیرت حضور نقش لاثانی

سیرت نبوی کا پیغام عصر حاضر کے نام

مکتبہ نقش لاثانی
0542 - 452997
0300-7766123